سقیفہ کے حقائق

(روایت ابو مخنف کی روشنی میں)

جلیل تاری

مترجم:
سید نسیم حیدر زیدی

مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

یہ کتاب برقی شکل میں نشرہوئی ہے اور شبکہ الامامین الحسنین (علیہما السلام) کے گروہ علمی کی نگرانی میں تنظیم ہوئی ہے

کتاب کا نام: سقیفہ کے حقائق (روایت ابو مخنف کی روشنی میں)

مؤلف: تاری، جلیل

مترجم / مصحح: سید نسیم حیدر زیدی

ناشر: مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

نشر کی جگہ: قم (ایران)

نشر کا سال: 2006

جلدوں کی تعداد: 1

حرف اول

جب آفتاب عالم تاب افق پر نمودار ہوتا ہے کائنات کی ہر چیز اپنی صلاحیت و ظرفیت کے مطابق اس سے فیض یاب ہوتی ہے حتی ننھے ننھے پودے اس کی کرنوں سے سبزی حاصل کرتے ہیں غنچے و کلیاں رنگ و نکھار پیدا کر لیتی ہیں تاریکیاں کافور اور کوچہ و راہ اجالوں سے پرنور ہوجاتے ہیں، چنانچہ متمدن دنیا سے دور عرب کی سنگلاخ وادیوں میں قدرت کی فیاضیوں سے جس وقت اسلام کا سورج طلوع ہوا، دنیا کی ہر فرد اور ہر قوم نے قوت و قابلیت کے اعتبار سے فیض اٹھایا۔

اسلام کے مبلغ و مؤسس سرورکائنات حضرت محمد مصطفٰی صل اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حراء سے مشعل حق لے کر آئے اور علم و آگھی کی پیاسی اس دنیا کو چشمۂ حق و حقیقت سے سیراب کردیا، آپ کے تمام الٰہی پیغامات ایک ایک عقیدہ اور ایک ایک عمل، فطرت انسانی سے ہم آہنگ ارتقائے بشریت کی ضرورت تھا، اس لئے تیئیس برس کے مختصر سے عرصے میں ہی اسلام کی عالم تاب شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں اور اس وقت دنیا پر حکمراں ایران و روم کی قدیم تہذیبیں اسلامی قدروں کے سامنے ماندپڑگئیں، وہ تہذیبی اصنام جو صرف دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں اگر حرکت و عمل سے عاری ہوں اور انسانیت کو سمت دینے کا حوصلہ، ولولہ اور شعور نہ رکھتے تو مذہبِ عقل و آگھی سے روبرو ہونے کی توانائی کھو دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک چوتھائی صدی سے بھی کم مدت میں اسلام نے تمام ادیان و مذاہب اور تہذیب و روایات پر غلبہ حاصل کرلیا۔

اگرچہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ گراں بھا میراث کہ جس کی اہلبیت علیہم السلام اور ان کے پیرووٴں نے خود کو طوفانی خطرات سے گزار کر حفاظت و پاسبانی کی ہے، وقت کے ہاتھوں خود فرزندان اسلام کی بے توجھی اور ناقدری کے سبب ایک طویل عرصے کے لئے تنگنائیوں کا شکار ہوکر اپنی عمومی افادیت کو عام کرنے سے محروم کردی گئی تھی، پھر بھی حکومت و سیاست کے عتاب کی پروا کئے بغیر مکتب اہل بیت علیہم السلام نے اپنا چشمۂ فیض جاری رکھا اور چودہ سو سال کے عرصے میں بھت سے ایسے جلیل القدر علماء و دانشور دنیائے اسلام کو تقدیم کئے جنھوں نے بیرونی افکار و نظریات سے متاثر اسلام و قرآن مخالف فکری و نظری موجوں کی زد پر اپنی حق آگین تحریروں اور تقریروں سے مکتب اسلام کی پشت پناھی کی ہے ہر دور اور ہر زمانے میں ہر قسم کے شکوک و شبھات کا ازالہ کیا ہے، خاص طور پر عصر حاضر میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ساری دنیا کی نگاھیں ایک بار پھر اسلام و قرآن اور مکتب اہل بیت علیہم السلام کی طرف اٹھی اور گڑی ہوئی ہیں، دشمنان اسلام اس فکری و معنوی قوت و اقتدار کو توڑنے کے لئے اور دوستداران اسلام اس مذھبی اور ثقافتی موج کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے اور کامیاب و کامراں زندگی حاصل کرنے کے لئے بے چین و بیتاب ہیں، یہ زمانہ علمی و فکری مقابلے کا زمانہ ہے اور جو مکتب بھی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے بھتر

طریقوں سے فائدہ اٹھا کر انسانی عقل و شعور کو جذب کرنے والے افکار و نظریات دنیا تک پہنچائے گا، وہ اس میدان میں آگے نکل جائے گا۔

(عالمی اہل بیت کونسل) مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام نے بھی مسلمانوں خاص طور پر اہل بیت علیہم السلام عصمت و طہارت کے پیروؤں کے درمیان ہم فکری و یکجہتی کو فروغ دینا وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس راہ میں قدم اٹھایا ہے کہ اس نورانی تحریک میں حصہ لے کر بہتر انداز سے اپنا فریضہ ادا کرے، تاکہ موجودہ دنیائے بشریت جو قرآن و عترت کے صاف و شفاف معارف کی پیاسی ہے، زیادہ سے زیادہ عشق و معنویت سے سرشار اسلام کے اس مکتب عرفان و ولایت سے سیراب ہوسکے، ہمیں یقین ہے عقل و خرد پر استوار ماہرانہ انداز میں اگر اہل بیت عصمت و طہارت کی ثقافت کو عام کیا جائے اور حریت و بیداری کے علم بردار خاندان نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و رسالت کی جاوداں میراث اپنے صحیح خدو خال میں دنیا تک پہنچادی جائے تو اخلاق و انسانیت کے دشمن، انانیت کے شکار، سامراجی خونخواروں کی نام نہاد تہذیب و ثقافت اور عصر حاضر کی ترقی یافتہ جہالت سے تھکی ماندی آدمیت کو امن و نجات کی دعوتوں کے ذریعہ امام عصر (عج) کی عالمی حکومت کے استقبال کے لئے تیار کیا جاسکتا ہے۔

ہم اس راہ میں تمام علمی و تحقیقی کوششوں کے لئے محققین و مصنفین کے شکر گزار ہیں اور خود کو مؤلفین و مترجمین کا ادنٰی خدمت گار تصور کرتے ہیں،

زیر نظر کتاب، مکتب اہل بیت علیہم السلام کی ترویج و اشاعت کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، فاضل آقای علّام جلیل تاری کی گراں قدر کتاب حقائق سقیفہ کو فاضل جلیل مولانا سید نسیم حیدر زیدی نے اردو زبان میں اپنے ترجمہ سے آراستہ کیا ہے جس کے لئے ہم دونوں کے شکر گزار اور مزید توفیقات کے آرزو مند ہیں، اسی منزل میں ہم اپنے تمام دوستوں اور معاونین کا بھی صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنھوں نے اس کتاب کے منظر عام تک آنے میں کسی بھی عنوان سے زحمت اٹھائی ہے، خدا کرے کہ ثقافتی میدان میں یہ ادنٰی جہاد رضائے مولٰی کا باعث قرار پائے۔

والسلام مع الکرام

مدیر امور ثقافت: مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

بیاں اپنا

تمام تعریفیں اس خدائے وحدہ لا شریک سے مخصوص ہیں جو عالمین کا پالنے والا ہے اور بے شمار درود و سلام ہو اس کی بھترین مخلوق حضرت محمد اور ان کی پاکیزہ آل پر جنھوں نے بشریت کی تعلیم تربیت اور راھنمائی کے لئے فرش زمین پر قدم رکھ کر پیغام الٰھی کو پھونچایا اور انسانوں کو ہر طرح کی پستی سے نکال کر معراج عبودیت تک پھونچایا۔

واقعۂ سقیفہ: تاریخ اسلام کا وہ عظیم سانحہ ہے جس نے دین اسلام کو تہتر فرقوں میں تقسیم کر کے امت محمدیہ ﷺ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے داغدار بنا دیا، سقیفہ کے موضوع پر کل بھی کتابیں لکھی گئی تھیں اور آج بھی لکھی جارہی ہیں اور آئندہ بھی محققین اپنے قلم کا کرشمہ دکھاتے رہیں گے مگر اس کتاب میں جس انداز اور جن پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے وہ قابل قدر ہیں اور اس کے مصنف لائق تحسین اور قابل مبارک باد ہیں۔

حقیر نے اس کتاب کو مجمع جہانی اہل البیت علیہم السلام کی فرمائش پر اردو زبان حضرات کے لئے نہایت دقت کے ساتھ اردو کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے، پھر بھی اگر ترجمے میں کوئی نقص نظر آئے تو برائے مہربانی حقیر کو مطلع فرمائیں تاکہ اس کی اصلاح ہو سکے۔

خالق لوح و قلم کی بارگاہ میں اہل بیت علیہم السلام طاھرین کے وسیلے سے دعاگو ہوں کہ پروردگارا! اس ناچیز کوشش کو بطفیل قائم آل محمد (عج) شرف قبولیت عطا فرما، کتاب کے مصنف اور ناشر کو مزید خدمت دین کی توفیق عطا فرما۔ آمین

آخر میں اپنے تمام دوستوں کا شکر گذار ہوں جنہوں نے اس کام میں میری مدد فرمائی ہے خصوصاً برادر عزیز حجۃ الاسلام مولانا سید حسین اختر رضوی اعظمی کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس ترجمہ میں میری راھنمائی فرمائی ہے۔ انہ ولی التوفیق

سید نسیم حیدر زیدی۔ قم المقدسہ 3 صفر 1426 ہجری

پیش لفظ

پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات کے فوراً بعد پیش آنے والا ایک عظیم سانحہ "واقعۂ سقیفہ" ہے جو آپ کی وفات کے بعد رونما ہونے والے بہت سے حوادث و نظریات کا پیش خیمہ ہے جس طرح اس واقعہ کے ابتدائی مرحلہ ہی میں اس کے طرفدار اور مخالفین موجود تھے، اُسی طرح آج بھی مسلمانوں کے درمیان فرقہ بندی کا اہم سبب واقعہ سقیفہ ہی ہے۔

لهٰذا ممکن ہے کہ اس سلسلے میں علمی اور استدلالی بحث، طالب حق انسان کے لئے رہنما ثابت ہو۔

"سقیفہ" لغت میں چھت دار چبوترہ کو کہتے ہیں یہ مدینہ کے ایک گوشہ میں ایک امکان تھا جس کی بڑی چھت تھی اور یہ مکان بنو ساعدہ بن کعب خزرجی کا تھا اسی وجہ سے سقیفہ بنی ساعدہ کے نام سے مشہور تھا۔ انصار اس مکان میں جو ایک مجلس مشاورت کی حیثیت رکھتا تھا اپنے فیصلوں کے لئے جمع ہوئے تھے[(1)]

پیغمبر اسلام ﷺ کی رحلت کے بعد انصار کا ایک گروہ جس میں اوس و خزرج [(2)] دونوں ہی شامل تھے یہاں جمع ہوئے تاکہ پیغمبر اسلام ﷺ کی خلافت کے سلسلے میں کوئی چارہ جوئی کریں[(3)]۔

انصار کیوں اور کس مقصد کے تحت وہاں جمع ہوئے؟ کیا تقریریں ہوئیں اور ان کا نتیجہ کیا نکلا؟ یہ تمام موضوعات ایسے ہیں جن کے بارے میں اس کتاب میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ یہ واقعہ ایک اچھی خاصی اہمیت کا حامل تھا اور ہے اور بہت سے مورخین کی توجہ کا مرکز بنا رہا اس کے باوجود محدثین نے اس اہم واقعہ کے فقط چند پہلوؤں کے بیان پر ہی اکتفا کی ہے لیکن ابو مخنف ان راویوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے اس واقعہ کی باریکیوں کو تفصیل سے بیان کیا بلکہ سقیفہ کے موضوع پر ایک پوری کتاب بھی لکھی 3 لیکن ہمارے پاس اس کتاب کا فقط وہ حصہ موجود ہے جو تاریخ طبری میں نقل ہوا ہے۔

اس کتاب میں ہماری کوشش ہے کہ ابو مخنف (جو تاریخ اسلام کے ایک عظیم اور باریک بین محدث ہیں) کے تعارف کے ساتھ ساتھ واقعۂ سقیفہ کے بارے میں ان کی اہم روایت پر محققانہ اور منصفانہ نظر کی جائے نیز معتبر تاریخی کتابوں سے متن روایت کو پیش کریں اور حاشیہ پر مآخذ و منابع کا ذکر کرتے ہوئے دوران بحث ہر قسم کی جانبداری اور بے بنیاد باتوں سے پرہیز کریں۔

مصنف نے اپنی کم علمی کے باوجود بے حد کوشش کی ہے کہ واقعہ سقیفہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معتبر کتابوں کا سہارا لیا جائے، اور ہر مسئلہ میں طرفین کے نظریہ اور تنقید کو بیان کرتے ہوئے ایک خاص نظر پیش کی جاتی۔

امید ہے کہ اس کتاب کے اسلوب تحریر سے تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوگا، جسے "اجتہادی تاریخ" کے نام سے یاد کیا جاسکتا ہے۔

آخر میں خدا کے شکر کے بعد تمام ان افراد کی قدر دانی کو ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے میری تعلیم و تربیت میں مؤثر کردار ادا کیا بالخصوص اپنے محترم والدین، بھائی، اساتذہ نیز جناب ڈاکٹر صادق آئینہ وند اور حجۃ الاسلام والمسلمین رسول جعفریان کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تخلیق میں میری رہنمائی فرمائی۔

جلیل تاری۔ 1423 ہجری

---

1. صاحب حسن اللغات کے مطابق سقیفہ ایک ایسا خفیہ مکان تھا جہاں عرب باطل مشوروں اور بے ہودہ باتوں کے لئے جمع ہوتے تھے (مترجم)

2. مدینہ کے دو بڑے قبیلوں کے نام ہیں۔ (مترجم)

3. رجال نجاشی: ص302

پہلا حصہ: تمہیدات

ابو مخنف کا تعارف

کیونکہ ہم سقیفہ سے متعلق ابو مخنف کی روایت کے بارے میں گفتگو کریں گے لھٰذا ضروری ہے کہ سب سے پہلے ان سوالات کا مختصر جواب دے دیا جائے جن کا قارئین کے ذہن میں ابھرنے کا امکان ہے، مثال کے طور پر ابو مخنف کون تھے؟ کس دور میں تھے؟ شیعہ اور سنی علماء ان کے بارے میں کیا نظریہ رکھتے ہیں ان کا مذہب کیا تھا؟ کتاب کا یہ حصہ انہیں سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے۔

ابو مخنف کون تھے؟

ابو مخنف کا نام، لوط بن یحيٰ بن سعید بن مخنف [5] بن سُلیم ازدی [6] ہے ان کا اصلی وطن کوفہ ہے اور ان کا شمار دوسری صدی ہجری کے عظیم محدثین اور مورخین میں ہوتا ہے۔ انہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد سے اموی حکومت کے آخری دور تک کے اہم حالات و واقعات پر کتابیں لکھیں، جیسے کتاب المغازی، کتاب السقیفہ، کتاب المردہ، کتاب فتوح الاسلام، کتاب فتوح العراق، کتاب فتوح خراسان، کتاب الشوريٰ، کتاب قتل عثمان، کتاب الجمل، کتاب صفین، کتاب مقتل أمیر المؤمنین کتاب مقتل الحسن (علیہ السلام) کتاب مقتل الحسین (علیہ السلام) و۔۔۔۔

جو مجموعی طور پر اٹھائیس کتابیں ہیں اور ان کی تفصیل علم رجال کی کتابوں میں موجود ہے [7]۔ لیکن ان میں سے اکثر کتابیں ہماری دسترس میں نہیں ہیں البتہ ان کتابوں کے کچھ مطالب ان کے بعد لکھی جانے والی کتابوں میں روایت ابی مخنف کے عنوان سے موجود ہیں مثلاً تاریخ طبری [8] میں ابو مخنف سے مجموعی طور پر پانچ سو سے زیادہ روایتیں موضوعات پر نقل ہوئی ہیں اور ان نقل شدہ روایات میں سے اکثر کا تعلق کہ جو تقریباً ایک سو چھبیس روایتیں ہیں حضرت علی علیہ السلام کے دوران حکومت کے حالات و واقعات سے ہے۔ ایک سو اٹھارہ روایتیں واقعۂ کربلا اور ایک سو چوبیس روایتیں حضرت مختار کے قیام کے بارے میں ہیں۔

صدر اسلام میں رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں ابو مخنف کی روایات اس قدر دقیق، مفصّل اور مکمل جزئیات کے ساتھ ہیں جو ہر قسم کے تعصب سے دور ہونے کے علاوہ ہر واقعہ کے پہلوؤں کی طرف قارئین کی رہنمائی کرتی ہیں یہاں تک کہ اس کے بعد لکھی جانے والی شیعہ اور سنی تاریخی کتابوں نے ان کی روایات سے کافی استفادہ کیا ہے اور روایت کے ذکر کے ساتھ ساتھ اس پر مکمل اعتماد کا اظہار بھی کیا ہے۔

ابو مخنف کا دور

اگرچہ ان کی تاریخ ولادت معلوم نہیں ہے لیکن ان کی تاریخ وفات عام طور سے سن 157 ہجری قمری نقل کی گئی ہے ان کی تاریخ ولادت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے بعض علماء رجال غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔ بعض نے انہیں امام علی علیہ السلام، امام حسن علیہ السلام، اور امام حسین علیہ السلام کا صحابی کہا ہے، جب کہ بعض علماء نے انہیں امام جعفر صادق علیہ السلام کا صحابی جانا ہے، جیسا کہ شیخ طوسی علیہ الرحمہ [9] نے "کشّی" سے نقل کیا ہے کہ ابو مخنف امام علی علیہ السلام امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کے اصحاب میں سے ہیں۔ لیکن ان کا خود یہ نظریہ نہیں ہے بلکہ ان کا کہنا ہے کہ ابو مخنف کے والد "یحییٰ" امام علی علیہ السلام کے صحابی تھے جب کہ خود ابو مخنف (لوط) نے آپ کا زمانہ نہیں دیکھا ہے۔

شیخ نجاشی کا کہنا ہے کہ ابو مخنف امام صادق علیہ السلام کے اصحاب میں سے ہیں [10] اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی روایت نقل کی ہے۔ مگر یہ قول صحیح نہیں ہے شیخ نجاشی کے قول کے مطابق ابو مخنف صرف امام صادق علیہ السلام سے روایت نقل کرتے تھے اور آپ کے اصحاب میں سے تھے اور انہوں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے کوئی روایت نقل نہیں کی چہ جائیکہ وہ امام علی علیہ السلام سے روایت نقل کرتے۔ تمام شواھد و قرائن شیخ نجاشی کے قول کی تصدیق کرتے ہیں اس لئے کہ

1۔ تاریخ طبری میں ابو مخنف کی جو روایت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے وہ بغیر کسی واسطہ کے ہے جب کہ امام محمد باقر علیہ السلام سے ان کی روایت ایک واسطہ کے ساتھ نقل ہوئی ہے [11]۔

2۔ حضرت امام علی علیہ السلام کے خطبات اور حضرت فاطمہ زہرا (س) کے خطبہ سے متعلق ابو مخنف کی روایت دو واسطوں کے ذریعہ نقل ہوئی ہے [12]۔

3۔ اگر ابو مخنف کی تاریخ وفات کو ملحوظ نظر رکھا جائے جو 157 ہجری ہے اور یہ کہا جائے کہ انہوں نے امام علی علیہ السلام کا زمانہ بھی دیکھا ہے (یعنی کم از کم وہ اس دور میں شعور رکھتے تھے) تو ایسی صورت میں وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً ایک سو تیس سال ہوجائے گی [13] جب کہ کسی راوی نے بھی اس قسم کی بات کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔

یہ تمام قرائن شیخ نجاشی کے قول کے صحیح ہونے کی دلیل ہیں کہ وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے اور آپ ہی سے روایت کرتے تھے۔

لیکن کتاب "الکافی" [14] میں ابو مخنف کی ایک روایت بغیر کسی واسطہ کے حضرت امام علی علیہ السلام کے دور حکومت سے متعلق نقل ہوئی ہے۔ اس حدیث میں ان کا بیان ہے کہ شیعوں کا ایک گروہ امیر المومنین علیہ السلام کے پاس آیا۔ ۔ ۔ لیکن یہ حدیث ھرگز یہ ثابت نہیں کرتی کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کے دور میں تھے۔ اس لئے کہ ممکن ہے یہ حدیث "مرسلہ" [15] ہو جو بات

یقینی ہے وہ یہ کہ ابو مخنف کے پر دادا "مخنف بن سلیم" رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے [16] اور آپ کی طرف سے شہر اصفہان کے گورنر مقرر ہوئے [17] اور جنگ جمل کے دوران حضرت علی علیہ السلام کی فوج میں قبیلہ ازد کے دستہ کی سالاری کے فرائض انجام دیتے ہوئے اس جنگ میں شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے۔

سوانح حیات سے متعلق اکثر کتابوں کے مطابق ان کی شہادت جنگ جمل میں ہوئی مثلاً "الکنی والالقاب" شیخ عباس قمی "الذریعہ" آقا بزرگ تہرانی، "اعلام" زرکلی اور اسی طرح "تاریخ طبری" [18] میں ابو مخنف کی روایت اسی چیز پر دلالت کرتی ہے، لیکن اسی تاریخ طبری [19] میں مخنف بن سلیم کی ایک روایت واقعہ صفین سے متعلق نقل ہوئی ہے جو اس بات سے تناسب نہیں رکھتی کہ وہ جنگ جمل میں شہید ہوئے تھے۔

اس نکتہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "رجال" اور "فہرست" [20] میں ابو مخنف کے والد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ حضرت علی علیہ السلام کے صحابی تھے جب کہ جو چیز مسلم ہے وہ یہ کہ ابو مخنف کے والد یحییٰ حضرت علی علیہ السلام کے صحابی نہ تھے بلکہ آپ کے پردادا حضرت کے اصحاب میں سے تھے لٰهذا یہ بات قابل توجہ ہے کہ مخنف بن سلیم، ابو مخنف کے نہ والد ہیں اور نہ دادا جیسا کہ بعض افراد ان کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہوگئے ہیں اور انہیں ابو مخنف کا دادا کہا ہے [21] جب کہ وہ ابو مخنف کے پردادا ہیں۔

ابو مخنف شیعہ اور سنی علماء کی نظر میں

اہل تشیع کی علم رجال سے متعلق کتابوں سے یہ بات روشن ہے کہ ابو مخنف ایک قابل اعتماد شخص تھے، شیخ نجاشی ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ ابو مخنف کوفہ کے بزرگ راویوں کے شیوخ (اساتذہ) میں سے ہیں ان کی روایت پر اعتماد کیا جاسکتا ہے [22] شیخ طوسی [23] نے اپنی علم رجال کی کتاب میں انہیں امام جعفر صادق علیہ السلام کا صحابی کہا ہے شیخ عباس قمی نجاشی جیسی عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ابو مخنف عظیم شیعہ مورخین میں سے ایک ہیں نیز آپ فرماتے ہیں کہ ابو مخنف کے شیعہ مشہور ہونے کے باوجود طبری، اور ابن اثیر [24]، جیسے علماء اہل سنت نے ان پر اعتماد کیا ہے، آقا بزرگ تہرانی نجاشی کی چند عبارتیں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں "ان کے شیعہ مشہور ہونے کے باوجود علمائے اہل سنت جیسے طبری اور ابن اثیر نے ان پر اعتماد کیا ہے بلکہ ابن جریر کی کتاب تاریخ الکبیر [25] تو ابو مخنف کی روایات سے پُر ہے۔ آیۃ اللہ خوئی نے بھی انہیں ثقہ کہا ہے اور شیخ طوسی (رح) سے ابو مخنف تک جو سند ہے اسے آپ نے صحیح جانا ہے [26]۔

لیکن بعض علماء اہل سنت نے ان کے شیعہ ہونے کا ذکر کرتے ہوئے ان کی روایت کو متروک قرار دیا ہے اور بعض افراد نے ان کے شیعہ ہونے کا ذکر کئے بغیر ان کی روایت کو ضعیف کہا ہے جیسا کہ یحییٰ بن معین کا کہنا ہے "ابو مخنف لیس بشيئ [27] یعنی ابو

مخنف قابل اعتماد نہیں ہیں) اور ابن ابی حاتم نے یحیی بن معین کا قول نقل کیا ہے کہ وہ ثقہ نہیں ہیں [28] اور دوسروں سے بھی اس بات کو نقل کیا ہے کہ وہ "متروک الحدیث" ہیں [29]۔

ابن عدی یحییٰ بن معین کا قول نقل کرنے کے بعد کہتا ہے کہ گذشتہ علماء بھی اسی بات کے قائل ہیں، (یوافقہ علیہ الائمہ) اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ ابو مخنف ایک افراطی قسم کے شیعہ ہیں، ان کی احادیث کی سند نہیں ہے ان کی احادیث کی سند نہیں ہے ان سے ایسی ناپسندیدہ اور مکروہ روایات نقل ہوئی ہیں جو نقل کرنے کے لائق نہیں [30]۔

ذھبی کا کہنا ہے کہ وہ متروک ہیں [31] اور دوسری جگہ پر کہا ہے کہ ابو مخنف نے مجھول افراد سے روایت نقل کی ہے [32] دار قُطنی کا قول ہے کہ ابو مخنف ایک ضعیف اخباری ہیں [33] ابن حجر عسقلانی کا کہنا ہے کہ ان پر اطمینان نہیں کیا جاسکتا ہے پھر بعض علماء کا قول نقل کرتا ہے کہ ابو مخنف قابل اعتماد اور مورد اطمینان نہیں ہیں [34]۔

لیکن ابن ندیم کا ان کے بارے میں کہنا ہے کہ میں نے احمد بن حارث خزار کے ھاتھ سے لکھی ہوئی تحریر میں دیکھا ہے کہ علماء کا کہنا ہے، کہ ابو مخنف کی عراق اور اس کی فتوحات سے متعلق روایات سب سے زیادہ اور سب سے بہتر ہیں، جس طرح سے خراسان، ھندوستان اور فارس کے بارے میں مدائنی، حجاز و سیرت کے بارے میں واقدی، اور شام کی فتوحات کے بارے میں ان تینوں کی معلومات یکساں ہیں [35] یہ عبارت یاقوت حموی نے بھی اپنی کتاب "معجم الادباء" میں ذکر کی ہے، [36] مجموعی طور پر اکثر علماء اہل سنت نے یحییٰ بن معین کے قول کا سہارا لے کر ابو مخنف کو غیر ثقہ قرار دیا ہے۔

البتہ ابو مخنف کے بارے میں ابن ندیم اور حموی نے جس حقیقت کا اظھار کیا ہے اس کی وجہ سے ان کے قول کے متروک ہونے کے باوجود اہل سنت کے برجستہ علماء نے ان سے روایات نقل کی ہیں اور شاید عراق کے وہ حالات و واقعات جو تاریخ اسلام کے عظیم تحولات کا سبب ہیں ان تک ابو مخنف کی روایات کے بغیر دسترسی ناممکن ہے، لھذا علماء اہل سنت کے نظریات کے سلسلے میں اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ شاید ان کے نزدیک ابو مخنف کے متروک ہونے کی وجہ وھی ہو جو ابن عدی نے اپنے کلام کے آخر میں کہی ہے اور وہ یہ کہ ابو مخنف کی روایات میں ایسے واقعات کا ذکر ہے کہ جو بعض افراد پر گراں گزرتے ہیں کیونکہ وہ واقعات ان کے مفروضہ عقائد اور نظریات سے مطابقت نہیں رکھتے۔

ابو مخنف کا مذھب

ابو مخنف کے مذھب کے بارے میں اقوال ہیں:

شیخ طوسی کا اپنی کتاب "فہرست" میں اور نجاشی کا اپنی کتاب "رجال" میں ان کے مذھب کے بارے میں کوئی رائے پیش نہ کرنا ان کے شیعہ ہونے کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ شیخ عباس قمی اور آقا بزرگ تہرانی نے واضح طور پر ان

کے شیعہ ہونے کو بیان کیا ہے بلکہ یہاں تک کہا ہے کہ ان کا شیعہ ہونا مشہور ہے لیکن آقا خوئی نے اپنی کتاب " معجم رجال الحدیث" میں ان کے شیعہ یا غیر شیعہ ہونے کو بیان کئے بغیر انہیں ثقہ کہا ہے۔

اکثر علماء اہل سنت نے ان کے شیعہ ہونے کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں کیا یہاں تک کہ ابن قتیبہ اور ابن ندیم نے شیعہ افراد کے لئے ایک الگ باب تحریر کیا ہے لیکن ابو مخنف کے نام کا وھاں ذکر نہ ہونا ان کے غیر شیعہ ہونے کو ظاھر کرتا ہے [37] علماء اہل سنت میں سے ابن ابی الحدید وہ ہے جو اس بات کا قائل ہے کہ ابو مخنف کا شمار محدثین میں ہوتا ہے اور وہ امامت پر اعتقاد رکھتے تھے۔ لیکن ان کا شمار شیعہ راویوں میں نہیں ہوتا [38] صاحب قاموس الرجال اقوال پر تنقید کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ابو مخنف کی روایت ان کے متعصب نہ ہونے کی وجہ سے قابل اعتماد ہے لیکن ان کے شیعہ ہونے کے بارے میں کوئی رائے پیش نہیں کی جاسکتی [39]۔

لھٰذا ان کے مذھب کے بارے میں بحث کرنے کا کوئی خاص عملی فائدہ نہیں ہے لیکن اگر ابو مخنف کی روایات پر غور و فکر کیا جائے جو اکثر سقیفہ، شوریٰ، جنگ جمل، جنگ صفین، مقتل امام حسین علیہ السلام سے متعلق ہیں تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ وہ شیعی افکار کے مالک تھے، البتہ ممکن ہے کہ ان کی روایات میں بعض مطالب ایسے پائے جاتے ہوں جو کامل طور پر شیعہ عقیدہ کے ساتھ مطابقت نہ رکھتے ہوں لیکن ہمیں چاھیے کہ ہم ابو مخنف کے دور زندگی کو بھی پیش نظر رکھیں کیونکہ بعض اوقات ائمہ معصومین علیہم السلام بھی تقیہ کی وجہ سے ایسے مطالب بیان کرتے تھے جو اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق ہوا کرتے تھے اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ وہ ایک معتدل شخص تھے جس کی وجہ سے اہل سنت کی اکثر کتابوں میں ان کی روایات کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

بہر حال تاریخ ابو مخنف کی عظمت غیر قابل انکار ہے اور شیعہ و سنی تمام مورخین نے ان سے کافی استفادہ کیا ہے اور چونکہ تمام شیعہ علماء نے انہیں ثقہ جانا ہے اور ان کی روایت پر اعتماد کا اظھار کیا ہے لھٰذا ان کی روایات کے مضامین پر غور و فکر کرنے سے صدر اسلام کے بہت سے اہم حالات و واقعات کی صحیح نشاندھی کی جاسکتی ہے۔

---

5. مخنف، منبر کے وزن پر ہے۔

6. الفہرست۔ ابن ندیم، ص 105

8. بعض افراد نے تاریخ طبری میں ابو مخنف کی روایات کی تعداد پانچ سو پچاسی کہی ہے جب کہ تحقیق کے بعد مصنف کا کہنا یہ ہے کہ ان کی تعداد پانچ سو باسٹھ ہے ممکن ہے کہ بعض روایات کے چند حصے الگ الگ جگہ نقل ہوگئے ہوں۔

9. رجال طوسی۔ ص81، الفہرست شیخ طوسی۔ ص129

10. رجال نجاشی۔ ص320

13. اس بات کے پیش نظر کہ حضرت علی (ع.کی تاریخ شہادت سن چالیس ہجری قمری ہے۔

14. الکافی۔ ج2 ص31۔

15. مرسلہ ایسی روایت کو کہتے ہیں جس میں راوی ایک یا چند واسطوں کو حذف کرنے کے بعد معصوم سے روایت نقل کرتا ہے (مترجم)

16. الطبقات الکبریٰ: ج6 ص35، الفہرست ابن ندیم: ج105، 106

17. ذکر اخبار اصفہان: ترجمہ دکتر کسائی، ص189

18. تاریخ طبری۔ ج4 ص521

19. تاریخ طبری۔ ج4 ص570

20. رجال طوسی۔ ص81، فہرست، ص129

21. الکنی والالقاب۔ ج1 ص55، الذریعہ۔ ج1 ص312۔

22. رجال نجاشی: ص320۔ (ابو مخنف شیخ اصحاب الاخبار بالکوفہ و جھھم وکان یسکن الی مایرویہ)

23. رجال طوسی۔ ص275

24. الکنی والالقاب۔ ص155

25. الذریعہ۔ ج1 ص312

27. تاریخ یحییٰ بن معین ج1 ص210

28. قابل اعتماد۔ (مترجم)

31. دیوان الضعفاء والمتروکین: ج2 ص265

32. سیر اعلام النبلاء۔ ج7ص301

33. الضعفاء والمتروکین: ص333

35. الفہرست: ابن ندیم۔ ص105، 106

36. معجم الادباء: ج5 ص2252۔

37. نقل از قاموس الرجال تستری۔ ج8 ص620

38. شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج1 ص147 (ابو مخنف من المحدثین وممن یری صحۃ الامامۃ بالاختیار ولیس من الشیعہ ولا معدوداً من رجالھا)

روایت ابی مخنف کی تحقیق کا طریقۂ کار

ابو مخنف کی روایات کے متن کے صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں فیصلہ کرنا آسان کام نہیں ہے کیونکہ ابو مخنف کو تاریخی روایات نقل کرنے والوں میں ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے لھٰذا دوسری روایات کے پیش نظر ان کی روایت کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ تاریخ کے تمام راوی جیسے ہشام کلبی، واقدی، مدائنی، ابن سعد وغیرہ یہ سب ان کے دور کے بعد سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی کے مرہون منت ہیں۔

کافی غور و فکر اور جستجو کے بعد اس کتاب میں تحقیق کا جو طریقۂ کار اپنایا گیا ہے وہ کچھ اس طرح ہے کہ سب سے پہلے ابو مخنف کی اس روایت کے مضمون کو تاریخ کی اہم کتابوں سے، جو تاریخ طبری سے پہلے اور اس کے بعد لکھی گئی ہیں نیز خود تاریخ طبری کی متعدد روایات سے اس کا موازنہ کیا جائے اس کے بعد تمام قرائن و شواھد کی روشنی میں اس کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ کیا جائے، اس سلسلے میں جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے وہ تاریخ کی معتبر، معروف و مشھور کتابیں ہیں جن میں سے اکثر کتابیں اہل سنت کی ہیں۔ ہم آپ کی معلومات کے لئے ان کتابوں کے نام کے ساتھ ساتھ ان کا مختصر تعارف کرانا بھی ضروری سمجھتے ہیں [40]

البتہ اس سے پہلے کہ تاریخ طبری سے پہلے لکھی جانے والی کتابوں کا تعارف کرایا جائے سب سے پہلے خود تاریخ طبری کا تعارف پیش کرتے ہیں کیونکہ یہ ہماری بحث کا محور ہے اور تاریخ کی ایک جامع کتاب ہے۔

تاریخ طبری:

اس کتاب کا نام "تاریخ الامم والملوک یا تاریخ الرسل والملوک" ہے جس کے مولف ابو جعفر محمد بن جریر طبری ہیں وہ 224 ہجری میں آمل طبرستان (مازندران: ایران کا ایک شہر) میں پیدا ہوئے اور تحصیل علوم کے سلسلے میں مقامات کا سفر کیا پھر بغداد میں سکونت اختیار کرلی اور 310 ہجری میں وھیں انتقال کر گئے [41]۔

آپ کا شمار فقہ، تفسیر اور تاریخ کے عظیم علماء میں ہوتا تھا خاص طور پر آپ کی تاریخ اور تفسیر کی کتابیں تو علماء اہل فن کی توجہ کا مرکز رہی ہیں۔

طبری نے اپنی کتاب میں اکثر روایات اپنے سے پہلے والے راویوں سے نقل کی ہیں اور طبری کے پاس ان کے ما قبل لکھی جانے والی کتابوں کا کافی ذخیرہ موجود تھا جن سے انھوں نے خوب استفادہ کیا اور چونکہ ان میں سے بعض کتابیں زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ناپید ہوگئیں تو ان کتابوں کے مطالب کو نقل کرنے کا واحد مآخذ فقط تاریخ طبری ہی ہے اسی لئے یہ کتاب ایک خاص اہمیت کی حامل ہے اور ابو مخنف کی کتاب "مقتل حسین علیہ السلام" جو اپنی نوعیت کی واحد کتاب تھی اور اس بات کا زندہ ثبوت ہے کیونکہ اس کتاب کی روایتیں تاریخ طبری میں متعدد مقامات پر کثرت سے ذکر کی گئی ہیں [42]

تاریخ طبری نے خلقت کی ابتداء، اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم الانبیاء تک اور پھر ان کی ہجرت سے لیکر 302 ہجری تک کے ہر سال کے حالات و واقعات کو الگ الگ بیان کیا ہے۔

طبری کا کسی بھی واقعہ یا حادثہ کو نقل کرنے کا طریقہ جس کا تذکرہ انہوں نے اپنے مقدمہ میں کیا ہے [43] یہ ہے کہ کسی واقعہ کے بارے میں راویوں سے روایتوں کو سند کے ساتھ نقل کرنے کے بعد اس کے بارے میں اپنی رائے دئے بغیر اسے قارئین کی نظر پر چھوڑ دیتے ہیں، البتہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ طبری کے پاس جو روایتیں موجود تھیں ان میں سے انہوں نے صرف چند روایتوں کا انتخاب کر کے انہیں اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے لیکن واقعہ غدیر کے بارے میں انہوں نے ایک روایت بھی ذکر نہیں کی ہے۔

وہ تمام راوی جن سے طبری نے روایتوں کو نقل کیا ہے وثاقت کے اعتبار سے برابر نہیں ہیں۔ جیسے ابن اسحاق، ابو مخنف، مدائنی، زُہری اور واقدی یہ تمام افراد وہ ہیں جنہوں نے تاریخی واقعات کو نقل کرنے میں ایک خاص طریقۂ کار اپنایا ہے اور اسی طبری کے راویوں میں سے ایک سیف بن عمر بھی ہے جو صرف روایتیں گڑھتا تھا اور نہایت ہی جھوٹا آدمی تھا [44]۔

اگرچہ طبری سنی مذہب تھے مگر زندگی کے آخری لمحات میں ان کے تشیع کی طرف مائل ہونے کا احتمال دیا جاسکتا ہے۔

طبری سے پہلے لکھی جانے والی وہ کتابیں جو اس گفتگو کے لئے منتخب کی گئی ہیں

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام:

در اصل اس کتاب کے مولف ابن اسحاق ہیں، اور سیرت نبوی پر لکھی جانے والی اہم اور مصادر کی کتابوں میں اس کا شمار ہوتا ہے اس سے پہلے سیرت نبوی پر اتنی جامع کتاب نہیں لکھی گئی تھی۔ عبدالملک بن ھشام (وفات 213 یا 218 ہجری) نے اس کتاب کی تلخیص کی اور اپنے خیال میں اس کی کچھ غیر ضروری عبارتوں کو حذف کرنے کے ساتھ ساتھ اس میں کچھ مطالب کا اضافہ بھی کیا [45] اس کے بعد یہ کتاب "السیرۃ النبویہ ابن ھشام" کے نام سے مشہور ہوگئی۔

2۔ المغازی واقدی:

اس کتاب کے مولف محمد بن عمر واقدی (ولادت 130 ہجری وفات 207 ہجری) ہیں ان کا تعلق عثمانی مذہب سے تھا وہ مدینہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد 180 ہجری میں بغداد تشریف لائے اور مامون کی طرف سے بغداد کے قاضی مقرر ہوئے اور اسی شہر میں انتقال کرگئے، وہ غزوات اور فتوحات کے سلسلے میں اچھی خاصی معلومات رکھتے تھے انہوں نے ہجرت سے لیکر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت تک کی روایات کے بارے میں عمدہ تحقیق کی ہے جس کی وجہ سے وہ پیغمبر اسلام ﷺ کی جنگوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے میں کافی حد تک کامیاب رہے۔

3۔ الطبقات الکبریٰ:

اس کتاب کے مولف محمد بن سعد (ولادت 168 ہجری وفات 230 ہجری) ہیں وہ کاتب واقدی کے نام سے مشہور تھے اور ایک نہایت ہی متعصب قسم کے سنی تھے ان کا تعلق بصرہ سے تھا اور پھر بغداد جاکر واقدی کے پاس ان کے کاتب کی حیثیت سے تعلیم میں مشغول ہوگئے، انھوں نے اپنی کتاب کی پھلی دو جلدوں میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور اس کے بعد کی جلدوں میں صحابہ اورتابعین کے بارے میں بحث کی ہے جو اس سلسلے کی ایک اہم ترین کتاب سمجھی جاتی ہے۔

4۔ تاریخ خلیفہ بن خیاط (وفات 240 ہجری):

خلیفہ بن خیاط تیسری صدی ہجری کے ایک اہم مورخ سمجھے جاتے ہیں جو سنی مذھب سے تعلق رکھتے ہیں، ابن کثیر نے انہیں امام تاریخ کہہ کر یاد کیا ہے[46] یہ کتاب تاریخی کتابوں میں قدیم ترین کتاب ہے کہ جس نے تاریخی حالات و واقعات کو ہر سال کے اعتبار سے پیش کیا ہے۔

5۔ الامامہ والسیاسۃ:

یہ کتاب ابن قتیبہ دینوری (ولادت 213 ہجری وفات 276 ہجری) کی طرف منسوب ہے جن کا شمار تیسری صدی ہجری کے اہل سنت سے تعلق رکھنے والے ادیبوں اور مورخین میں ہوتا ہے، ان کی ولادت بغداد میں ہوئی مگر کچھ عرصہ دینور میں قاضی رہے اگرچہ اس کتاب کی نسبت دینوری کی طرف مشکوک ہے لیکن بہر حال یہ کتاب سن تین ہجری کے آثار میں سے ایک اہم کتاب ہے۔

6۔ انساب الاشراف:

یہ کتاب احمد بن یحییٰ بلاذُری (ولادت 170 ہجری سے 180 ہجری کے درمیان، وفات 279 ہجری) نے لکھی ہے جو تیسری صدی ہجری کے برجستہ مورخین اور نسب شناس افراد میں سے ایک تھے وہ سنی مذھب اور عباسیوں کے ہم خیال افراد میں سے تھے، اس کتاب میں تاریخ اسلام سے متعلق خاندانوں کا نام اور ان کا نسب وغیرہ بیان کیا گیا ہے۔

7۔ تاریخ یعقوبی:

اس کتاب کے مولف احمد بن ابی یعقوب اسحاق بن جعفر بن وھب بن واضح ہیں 284 ہجری میں انتقال ہوا، آپ کا تعلق شیعہ مذھب سے تھا یہ کتاب تاریخ کی موجودہ قدیم ترین کتابوں میں سے ایک ہے۔

تاریخ طبری کے بعد لکھی جانے والی وہ کتابیں جن سے اس گفتگو میں استفادہ کیا گیا ہے یہ ہیں۔

1۔ السقیفہ و فدک:

یہ کتاب ابوبکر جوھری (وفات 323 ہجری) نے لکھی مگر زمانے کے گذرنے کے ساتھا ساتھ گم ہوگئی اس کتاب کے عمدہ مطالب دوسری کتابوں میں موجود ہیں، یہ کتاب ابن ابی الحدید کے پاس موجود تھی انہوں نے شرح نہج البلاغہ میں اس کتاب سے بہت کچھ نقل کیا ہے، اب یہ کتاب محمد ھادی امینی کی کوششوں سے مآخذ سے جمع آوری کے بعد "السقیفہ و فدک" کے نام سے شائع ہوچکی ہے۔

2۔ مروج الذھب:

یہ کتاب علی بن حسین مسعودی (وفات 346 ہجری) نے لکھی ہے، ممکن ہے کہ وہ شیعہ اثنا عشری ہوں مگر اس بات کا اندازہ "مروج الذھب" میں موجود مطالب سے نہیں لگایا جاسکتا بلکہ اس سے فقط ان کے مذھب شیعہ کی طرف مائل ہونے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے یہ کتاب مقامات کے سفر کر کے نہایت تحقیق اور جستجو کے بعد لکھے جانے کی وجہ سے کافی اہمیت کی حامل ہے، انہوں نے اپنی کتاب میں ابو مخنف کا بہت ذکر کیا ہے۔

3۔ الارشاد:

اس کتاب کے مولف شیخ مفید (ولادت 336 ہجری وفات 413 ہجری) ہیں وہ ایک شیعہ متکلم، فقیہ اور نامور مورخ ہیں، یہ کتاب اگرچہ شیعوں کے آئمہ علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں لکھی گئی ہے لیکن اس کے باوجود اس کتاب میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی سے متعلق بھی بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ شیخ مفید کے علمی مقام و مرتبہ اور تقویٰ و پرہیزگاری کی وجہ سے انکی تحریریں شیعہ علماء کے نزدیک ایک معتبر سند کی حیثیت رکھتی ہیں۔

4۔ المنتظم فی تاریخ الملوک والامم:

یہ کتاب ابن جوزی (ولادت 508 ہجری وفات 597 ہجری) نے لکھی ہے، وہ چھٹی صدی ہجری کے مفسرین، خطباء اور مورخین میں سے ایک تھے، یہ کتاب عام طور سے بعد میں آنے والے مورخین کے لئے بہت زیادہ قابل استفادہ قرار پائی۔

5۔ الکامل فی التاریخ:

یہ کتاب ابن اثیر (ولادت 555 ہجری وفات 630 ہجری) نے لکھی ہے، انہوں نے اس کتاب میں ایسی دلچسپ روش اور طریقۂ کار کا انتخاب کیا ہے کہ جس نے اس کتاب کو تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے تمام افراد کے لئے قابل استفادہ بنا دیا ہے، انہوں نے مطالب کی جمع آوری اور انھیں نقل کرنے کے سلسلے میں بہت محنت اور توجہ سے کام لیا ہے۔

6۔ البدایہ والنھایہ:

یہ کتاب ابن کثیر (ولادت 701 ہجری وفات 774 ہجری) نے لکھی ہے۔ اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ وہ ابن تیمیہ [47] کے شاگردوں میں سے ہیں۔

اس کتاب میں بعض بحثیں جیسے سیرت نبوی کو مختصر طورپر بیان کرنے کے بعد نظریات پر تنقید کے علاوہ ان کی تحقیق کی گئی ہے۔

یھاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ یہ جتنی بھی کتابیں ذکر کی گئی ہیں یہ ہماری بحث کے تاریخی آخذ ہیں اور اس سے ھرگز مراد یہ نہیں ہے کہ ہم نے فقط ان ہی کتابوں پر اکتفا کی ہے۔ بلکہ بعض مقامات پر احادیث کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے جیسا کہ اہل سنت کی احادیث کی کتابوں میں سے صحیح بخاری، مسند احمد بن حنبل اور شیعہ احادیث کی کتابوں میں سے کافی اور بحار الانوار کو اس گفتگو کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ اگرچہ بعض مخصوص مطالب کے سلسلے میں ان کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے جو انہیں موضوعات پر لکھی گئی ہیں مجموعی طورپر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کتاب میں تحقیق کا جو طریقۂ کار اپنایا گیا ہے اگرچہ وہ بہت مشکل اور سنگین کام ہے لیکن ممکن ہے کہ یہ طریقۂ کار بہت سی تاریخی مباحث کی تحقیق کے سلسلے میں مفید ثابت ہو۔

---

43. طبری۔ ج1 ص7، 8

45. السیرة النبویہ ابن ھشام ج1 ص4 (ابن اسحاق نے ایسے مطالب کا ذکر نہیں کیا کہ جو رسول خدا (ص.سے متعلق نہیں تھے یا یہ کہ بعض مطالب غیر مناسب تھے)

46. منابع تاریخ اسلام۔ ص121

47. ابن تیمیہ کے افکار ہی در حقیقت وھابیت کی بنیاد ہیں۔

دوسرا حصہ: سقیفہ کے بارے میں ابو مخنف کی روایت کا مضمون

تمہید

واقعہ سقیفہ کے بارے میں نظریات رکھنے کی بنا پر اکثر محدثین نے اسے تفصیل کے ساتھ پیش نہیں کیا ہے لیکن خوش قسمتی سے بعض محدثین اور مورخین نے اسے تفصیل سے نقل کیا ہے عام طور پر وہ اہم اور معتبر مآخذ جن کے ذریعہ سقیفہ کے حالات سے کافی حدتک آگاھی حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہیں، روایت ابی مخنف (48) روایت جوھری (49) روایت خلیفۂ دوم (50) روایت دینوری (51) اور روایت ابن اثیر (52)۔

ابو مخنف کی روایت جسے طبری نے نقل کیا ہے جو ہر لحاظ سے معتبر ہے اس کتاب میں سقیفہ کی بحث کے لئے یھی روایت محور قراردی گئی ہے، اور یہ حصہ اس روایت کے مضمون کو مکمل طور سے بیان کرنے کے لئے مخصوص کیا گیا ہے۔

سقیفہ کے بارے میں ابو مخنف کی روایت کا عربی متن:

حدّثنا هشام بن مُحَّد، عن أبی مخنف ، قال: حدّثنی عبدالله ابن عبد الرحمن بن أبی عمرة الانصاری، أنّ النبی ﷺ لما قُبض اجتمعت الأنصار فی سقیفة بنی ساعدة، فقالوا: نولی هذا الأمر بعد مُحَّد علیه السلام سعد بن عبادة، و أخرجوا سعداً الیهم وهو مریض، فلما اجتمعوا قال لابنه أو بعض بنی عمّه: انی لا أقدر لشکو ای ان اسمع القوم کلّهم کلامی: ولکن تلقّ منّی قولی فاسمعهموه؛ فکان یتکلم و یحفظ الرجل قوله، فیرفع صوته فیسمع أصحابه،

فقال بعد ان حمد الله واثنی علیه: یا معشر الأنصار! لکم سابقة فی الدین و فضیلة فی الاسلام لیست لقبیلة من العرب، ان مُحَّداً علیه السلام لبث بضع عشرة سنة فی قومه یدعوهم الی عبادة الرحمن وخلع الأنداد و الاوثان، فما آمن به من قومه الا رجل قلیل، و کان ما کانوا یقدرون علی ان یمنعوا رسول الله؛ ولا ان یعزّوا دینه، ولا ان یدفعوا عن انفسهم ضَیماً عُمُوّا به؛ حتی اذا اراد بکم الفضیلة، ساق الیکم الکرامة و خصکم بالنعمة، فرزقکم الله الایمان به و برسوله ،والمنعَ له ولأصحابه، والا عزازَ له ولدینه؛ والجهاد لأعدائه؛ فکنتم اشد الناس علی عدوّه منکم، واثقله علی عدوه من غیرکم؛ حتی استقامت العرب لامر الله طوعا و کرها؛ واعطی البعید المقادة صاغراً داخراً؛ حتی اثخن الله عزّ و جل لرسوله بکم الارض، و دانت بأسیافکم له العرب؛ و توفاه الله و هو عنکم راض؛ و بکم قریر عین استبدّوا بهذا الامر فانه لکم دون الناس

فأجابوه بأجمعهم: ان قد وُفّقتَ فی الرأی واصبت فی القول، ولن نعد وما رأیت، و نولیک هذا الأمر، فانک فینا مَقنعٌ و لصالح المؤمنین رضا

ثم اِنهم ترادّوا الکلامَ، فقالوا: فان ابت مهاجرة قریش، فقالوا: نحن المهاجرون و صحابة رسول الله الاولون؛ و نحن عشیرته و أولیاؤه؛ فعلام تنازعوننا هذا الامر بعده ! فقالت طائفة منهم: فانا نقول اذاً: منا امیرو منکم امیر؛ ولن نرضی بدون هذا الأمر ابداً فقال سعد بن عبادة حین سمعها: هذا أول الوهن!

و أتی عمرَ الخبرُ فاقبل الی منزل النبی ﷺ ، فأرسل الی ابی بکر و ابوبکر فی الدار و علی بن أبی طالب علیه السلام دائب فی جهاز رسول الله ﷺ؛ فارسل الی ابی بکر أن اخرج الی، فأرسل الیه: انّی مشتغل؛ فأرسل الیه أنه قد حدث أمرٌ لا بد لک من حضوره، فخرج الیه، فقال: أما علمتَ أنّ الانصار قد اجتمعت فی سقیفه بنی ساعدة، یریدون ان یولّوا هذا الامر سعد بن عبادة، أحسنهم مقالة مَن یقول: منا امیر و من قریش أمیر!

فمضیا مسر عین نحوهم؛ فلقیا أبا عبیده بن الجراح؛ فتما شَوا الیهم ثلاثتهم، فلقیهم عاصم بن عدی و عُوَیم بن ساعدة، فقالالهم: ارجعوا فانه لایکون ما تریدون، فقالوا: لا نفعل، فجاعوا وهم مجتمعون

فقال عمر بن الخطاب: اتیناهم و قد کنتُ زوّرت کلاماً اردت أن اقوم فیهم فلما أن دفعتُ الیهم ذهبتُ لأبتدیء المنطق، فقال لی ابوبکر: رُوَیداً حتی أتکلّم ثم انطق بعد بما أحببت فنطق، فقال عمر: فما شیء کنتُ اردت أن أقوله الّا وقد أتی به او زاد علیه

فقال عبد الله بن عبد الرحمن [53]: فبدأ أبوبکر، فحمد الله وأثنی علیه؛ ثم قال؛ أنّ الله بعث مُحَّداً رسولاً الی خلقه، و شهیداً علی امته ، لیعبُدوا الله و یوحّدوه وهم یعبدون من دونه آلهة شتی؛ ویزعمون أنها لهم عنده شافعة، ولهم نافعة؛ وانّما هی من حَجَر مَنحوت، وخشب منجور، ثم قرأ: (و یعبدون من دون الله ما لا یضّرهم ولا ینفعهم و یقولون هؤلاء شفعاؤنا عند الله) [54] و قالوا: (ما نعبدهم الا لیقرّبونا الی الله زلفی) [55]؛ فعظُم علی العرب ان یترکوا دین آبائهم، فخصّ الله المهاجرین الأولین من قومه بتصدیقه، والایمان به، والمؤساة له، والصبر معه علی شدة اذی قومهم لهم؛ تکذیبهم ایاهم؛ وکل الناس لهم مخالف، زارٍ علیهم، فلم یستوحشوا لقلّة عددهم و شَنَفِ الناس لهم واجماع قومهم علیهم، فهم أول مَن عبدالله فی الارض و آمن بالله و بالرسول؛ وهم أولیاوه و عشیرته، وأحقُّ الناس بهذا الأمر من بعده؛ ولا ینازعهم ذلک الا ظالم، وأنتم یا معشر الانصار، من لاینکر فضلُهم فی الدین ولا سابقتُهم العظیمة فی الاسلام، رضیکم الله أنصاراً لدینه و رسوله، و جعل الیکم هجرته و فیکم جِلّة أزواجه وأصحابه؛ فلیس بعد المهاجرین الاوّلین عندنا [أحد] [56] بمنزلتکم؛ فنحن الامراء وأنتم الوزراء، لاتُفتاتون بمشورة، ولا نقضی دونکم الامور

قال: فقام الحُباب بن المنذر بن الجموع، فقال: یا معشرَ الانصار، املکوا علیکم امرکم؛ فان الناس فی فیئکم وفی ظِلکم، ولکن یجتریء مجتریء علی خلافکم؛ ولن یصدر الناس الّا عن رأیکم ، انتم اهل العزّ والثروة، واولوا العدد

والمنعة والتجربة، ذو والباس والنجدة؛ وانما ينظر الناس الى ما تصنعون؛ ولا تختلفوا فيفسد عليكم رأيكم؛ و ينتقض عليكم أمركم؛ (فان) أبيٰ هؤلاء الّا ما سمعتم؛ فمنّا أمير ومنهم أمير

فقال عمر: هيهات لا يجتمع اثنان فى قرن! والله لا ترضى العرب ان يؤمّروكم و نبيها من غيركم؛ ولكن العرب لا تمتنع أن تولّى أمرها من كانت النبوة فيهم و وَلى أمورهم منهم؛ ولنا بذلک على مَن أبى من العرب الحجة الظاهرة والسلطان المبين؛ من ذا يناز عنا سلطانَ مُحَمَّد و امارته، ونحن أولياوه و عشيرته الامُدلٍ بباطل، او مُتَجانِف لاثم، و مورِّط فى هَلَكة!

فقام الحُباب بن المنذر فقال: يا معشر الأنصار ، أملِكُوا على أيديكم، ولا تسمعوا مقالة هذا و أصحابه فيذهبوا بنصيبكم من هذا الأمر؛ فاِن أبوا عليكم ما سألتموه، فاجلُوهم عن هذه البلاد، و تولوا عليهم هذه الأمور؛ فأنتم والله أحقّ بهذا الامر منهم؛ فانه بأسيافكم دان لهذا الدين من دان ممّن لم يكن يدين؛ جذيلها المحكّک ، و عذيقها المرجب! اما والله لئن شئتم لنعيدنّها جذعة؛ فقال عمر: اذاً يقتلک الله! قال: بل اياک يقتل!

فقال أبو عبيدة: يا معشرَ الانصار؛ انّكم أوّل من نصر و آزرَ؛ فلا تكونوا اوّل من بدّل و غير

فقام بشير بن سعد ابو النعمان بن بشير فقال: يا معشر الأنصار؛ انا والله لئن كنا أولى فضيلة فى جهاد المشركين، و سابقة فى هذا الدين؛ ما اردنا به اِلّا رضا ربنا و طاعة نبينا، و الكَدح لأنفسنا؛ فما ينبغى لنا أن نستطيل على الناس بذلک ولا نبتغى به من الدنيا عرضا؛ فان الله ولى المنة علينا بذلک؛ اَلا انّ مُحَمَّداً ﷺ من قريش، و قومه أحقّ به و أولى، وايم الله لا يرانى الله أنا زعهم هذا الأمر أبدا، فاتقوا الله ولا تخالفوهم ولا تنازعوهم!

فقال ابوبكر : هذا عمر، و هذا أبو عبيده، فأيهما شئتم فبايعوا فقالا: لا والله لا نتوّلى هذا الأمر عليک، فانک افضل المهاجرين و ثانى اثنين اذهما فى الغار، و خليفة رسول الله على الصَّلاة؛ و الصَّلاة افضل دين المسلمين؛ فمن ذا ينبغى له ان يتقدّمک او يتولّى هذا الامر عليک! ابسُط يدک نبايعک فلما ذهبا ليبايعاه، سبقهما اليه بشير بن سعد، فبايعه، فناداه الحباب بن المنذر: يا بشر بن سعد: عقّتک عقاق؛ ما احوجَک الى ما صنعت، أنفستَ على ابن عمّک الامارة! فقال: لا والله؛ ولكنى كرهت ان انازع قوماً حقاً جعله الله لهم

ولما رأت الاوس ما صنع بشير بن سعد، و ما تدعُوا اليه قريش، و ما تطلب الخزرج، من تأمير سعد بن عبادة، قال بعضهم لبعض، و فيهم أسَيد ابن حضير، وكان احد النقباء: والله لئن وليتها الخزرج عليكم مرّة لا زالت لهم عليكم بذلک الفضيلة؛ ولا جعلوا لكم معهم فيها نصيباً أبداً فقوموا فبا يعوا أبابكر فقاموا اليه فبايعوه، فانكسر على سعد بن عبادة و على الخزرج ما كانوا أجمعو له من امرهم

قال هشام: قال أبو مخنف: فحدثنى ابوبكر بن مُحَمَّد الخُزاعى، أن أسلَم أقبلت بجماعتها حتى تضايقّ بهم السکک، فبايعوا ابابكر؛ فكان عمر يقول: ما هو الّا أن رأيتُ أسلم فأيقنتُ بالنّصر

قال هشام، عن أبی مخنف: قال عبدالله بن عبد الرحمن: فأقبل الناس من کلّ جانب یبایعون أبابکر، وکادوا یطئون سعد بن عبادة، فقال ناس من أصحاب سعد: اتقوا سعداً لا تطئوه، فقال عمر: اقتلوه قتله الله! ثم قام علی رأسه، فقال: لقد هممتُ أن أطأک حتی تُندَر عَضُدک؛ فأخذ سعد بلحیة عمر، فقال: والله لو حصصتَ منه شعره ما رجعت و فی فیک واضحة؛ فقال ابوبکر: مهلاً یا عمر! الرّفق هاهنا أبلغ فأعرض عنه عمر

وقال سعد: أما والله لو أنّ بی قوّة ما، أقوی علی النهوض، لسمعتَ منّی فی أقطارها و سککها زَئیراً یجحرِک واصحابک؛ أما والله اذاً لألحقنک بقوم کنتَ فیهم تابعاً غیر متبوع! احملونی مِن هذا المکان، فحملوه، فادخلوه فی داره، وترک ایاماً ثم بعث الیه أن أقبِل فبایع فقد بایع الناس و بایع قومک؛ فقال: أما والله حتی أرمیکم بما فی کنانتی من نبلی، وأخضِب سنان رمحی، وأضربکم بسیفی ماملکته یدی، وأقاتلکم بأهل بیتی ومن أطاعنی من قومی؛ فلا أفعل، وایمُ الله لو أنّ الجنّ اجتمعت لکم مع الانس ما بایعتُکم، حتی أعرَض علی ربّی، وأعلَم ما حسابی

فلما أتی ابوبکر بذلک قال له عمر: لا تَدَعّه حتی یبایع فقال له بشیر بن سعد: انه قد لجّ و أبی؛ ولیس بمبایعکم حتی یقتل، ولیس بمقتول حتی یقتل معه ولدُه وأهل بیته و طائفة من عشیرته؛ فاترکوه فلیس ترکُه بضارّکم؛ انما هو رجل واحد فترکوه و قبلوا مشورة بشیر بن سعدو استنصحوه لما بداهم منه؛

فکان سعد لا یصلّی بصلاتهم، ولا یجمع معهم و یحجّ ولا یفیض معهم بافاضتهم؛ فلم یزل کذلک حتی هلک ابوبکر رحمه الله

ترجمہ:

ہشام بن محمد نے ابو مخنف سے روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ابی عمرہ انصاری کہتے ہیں کہ جب پیغمبر ﷺ کی رحلت ہوئی تو انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور کہا کہ محمد ﷺ کے بعد اس کام (امر ولایت) کو سعد بن عبادہ کے سپرد کردو اور سعد بن عبادہ جو، ان دنوں بیمار تھے انھیں بھی وہاں لے آئے، جب سب جمع ہوگئے تو سعد بن عبادہ نے اپنے بیٹے یا چچا زاد بھائی سے کہا کہ بیماری کی وجہ سے میری آواز تمام لوگوں تک نہیں پھونچ سکتی لٰہذا تم میری بات سنو اور ان تک پھونچادو، اس کے بعد سعد نے گفتگو شروع کی اور وہ شخص سعد کی بات کو سن کر بلند آواز سے بیان کرتا رہا تاکہ سب سن لیں۔ سعد نے خدا کی حمد وثنا کے بعد کہا کہ اے گروہ انصار اسلام میں درخشاں ماضی کے سبب جو شرف تم لوگوں کو حاصل ہے وہ عرب میں کسی کو حاصل نھیں، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقریباً دس سال اپنی قوم کے درمیان رہے، انھوں نے خدائے رحمٰن کی عبادت کا حکم دیا اور بتوں کی پرستش سے روکا مگر کچھ ہی لوگ ایمان لائے اور وہ چند افراد پیغمبر اسلام ﷺ کا دفاع اور اسلام کی حمایت کی قدرت نہیں رکھتے تھے اور نہ ظلم و ستم سے بچ سکتے تھے یہاں تک کہ خدا نے تم لوگوں کو عزت و شرف بخشا، اپنے اور اپنے رسول پر ایمان کی نعمت سے نوازا نیز پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے دوستوں کے دشمنوں سے مقابلہ کی ذمہ داری تمھیں سونپ دی، اور تم لوگوں نے ان کے دشمنوں سے اپنا پرایا دیکھے بغیر خوب مقابلہ کیا اور سختیاں برداشت کیں یہاں تک کہ عرب نہ چاھتے ہوئے

بھی حکم خدا کے سامنے تسلیم ہوگئے اور اطاعت کرنے لگے، خدا نے تم لوگوں کی مدد سے اس سرزمین کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطیع بنایا، اور عرب تم لوگوں کی شمشیر کے خوف سے ان کے اردگرد جمع ہوگئے، اور جب خدا نے انھیں اس حال میں اپنے پاس بلایا تو وہ تم لوگوں سے راضی و خوشنود تھے، لھذا اس امر ولایت و حکومت کو لے لو اور اسے دوسروں کے حوالے نہ کرو اس لئے کہ یہ صرف تم لوگوں کا حق ہے۔

سب نے کہا کہ آپ کی یہ رائے نھایت مناسب اور بالکل صحیح ہے، ہم آپ کی اس رائے سے اختلاف نہیں کریں گے لیکن ہم اس کام کی ذمہ داری خود آپ پر عائد کرتے ہیں اس لئے کہ آپ کفایت شعار اور تمام مومنین کے نزدیک مورد رضایت ہیں۔

اس کے بعد آپس میں گفت و شنید ہونے لگی اور کھنے لگے کہ اگر قریش کے مھاجرین اس بات پر راضی نہ ہوئے اور کھنے لگے کہ ہم پیغمبر ﷺ کے دیرینہ یارو مددگار، ان کے عزیز، اور ہمیشہ سے ان کے دوست ہیں اور اب پیغمبر ﷺ کی رحلت کے بعد تم لوگ ہم سے اس امر ولایت و حکومت میں جھگڑ رہے ہو تو کیا جواب دیں گے؟ تو ایسے میں ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ اگر مھاجرین نے ایسا کیا تو ہم ان سے کھیں گے کہ ایک امیر تمھارا ہوگا اور ایک امیر ہمارا اور کسی بھی صورت اس کے علاوہ راضی نہ ہونگے، جب سعد بن عبادہ نے یہ بات سنی تو کھنے لگے کہ یہ تمھاری پھلی غلطی ہوگی۔

جب عمر اس واقعہ سے باخبر ہوئے تو سیدھے ابوبکر کے پاس گئے جو اس وقت پیغمبر ﷺ کے گھر میں تھے جب کہ علی علیہ السلام پوری توجہ کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل وکفن میں مصروف تھے ابوبکر کو پیغام دیا کہ باھر آؤ مگر ابوبکر نے کہا کہ میں یہاں مصروف ہوں لیکن عمر نے دوبارہ پیغام بھیجا کہ باھر آؤ ضروری کام ہے یہ سن کر ابوبکر باھر آگئے، عمر نے کہا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے ہیں تاکہ اس امر (ولایت و حکومت) کو سعد بن عبادہ کے حوالے کردیں جب کہ ایک گروہ نے یہ رائے پیش کی ہے کہ ایک امیر تمھارا ہوگا اور ایک امیر ہمارا، یہ سن کر ابوبکر، عمر تیزرفتاری سے سقیفہ کی طرف چل دئے راستے میں ابوعبیدہ جراح سے ملاقات ہوئی اور پھر تینوں سقیفہ کی طرف روانہ ہولئے، اتنے میں عاصم بن عدی اور عویم بن ساعدہ سے بھی ملاقات ہوئی انھوں نے کہا کہ پلٹ جاؤ اس لئے کہ تم لوگ جو چاھتے ہو وہ نہیں ہوگا مگر ان تینوں نے جواب دیا کہ ہم واپس نہیں پلٹیں گے اور انصار کے اجتماع میں جا پھنچے۔

عمر نے کہا کہ جب ہم وھاں پھنچ گئے تو میں نے اپنے ذھن میں کچھ باتیں تیار کر رکھی تھیں اور چاھتا تھا کہ انھیں بیان کروں ابھی میں کچھ کھنا ہی چاھتا تھا کہ ابوبکر نے کہا ٹھرو ذرا صبر کرو پھلے میں اپنی بات کہہ لوں اس کے بعد جو چاھے کھنا، ابوبکر نے بات شروع کی، عمر کا کھنا ہے کہ میں جو کچھ کھنا چاھتا تھا وہ سب کچھ ابوبکر نے کہہ دیا بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ۔

عبد اللہ بن عبد الرحمٰن کا کھنا ہے کہ ابوبکر نے خدا کی حمد و ثنا کے بعد کہا کہ خدا نے محمد ﷺ کو اپنی مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور اپنی امت کے لئے گواہ بنایا تاکہ وہ خدا کی عبادت کریں اور اس کی وحدانیت پر ایمان لائیں جب کہ یہ وہ وقت تھا کہ وہ کئی خداؤں کی پرستش کرتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ یہ لکڑی اور پتھروں کے بت خدا کے نزدیک ان کے شفیع اور مددگار ہیں۔

اس کے بعد ابوبکر نے قرآن کی اس آیت کی تلاوت کی جس میں خدا فرماتا ہے "اور وہ خدا کے علاوہ ان چیزوں کی عبادت کرتے تھے کہ جو نہ ان کے لئے باعث نقصان ہے اور نہ مفید اور کھتے تھے کہ یہ خدا کے نزدیک ہمارے شفیع ہیں 57۔ اور ہم ان کی عبادت فقط خدا سے نزدیک ہونے اور اس کے تقرب کے لئے کرتے ہیں [58] گویا عربوں کے لئے یہ نھایت سخت مرحلہ تھا کہ وہ اپنے آباء و اجداد کے دین کو چھوڑدیں اور یہ مھاجرین وہ پھلی قوم ہیں جنھوں نے پیغمبر ﷺ کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لے آئے اور ان کے ساتھ ہمدردی کی اور صبر و استقامت کا مظاھرہ کیا جب ان کی قوم انھیں سخت قسم کی اذیتیں دیتی اور انھیں جھٹلاتی تھی، تمام لوگ ان کے مخالف اور ان کے خلاف قیام کئے ہوئے تھے لیکن یہ اپنی قلت، قوم کی مخالفت اور دشمنی کے باوجود نہیں ڈرے اور یہ سب سے پھلے افراد تھے جنھوں نے اس سرزمین پر خدا کی عبادت کی اور خدا اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور یہ لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوست اور عزیز ہیں لھٰذا اب پیغمبر ﷺ کے انتقال کے بعد وہ اس امر کے زیادہ مستحق ہیں اور جو بھی ان سے لڑائی جھگڑا کرے وہ ظالم ہے اور اے گروہ انصار کوئی بھی شخص دین کی نصرت کے سلسلے میں تم لوگوں کے درخشاں ماضی کا منکر نہیں ہے، خدا نے تم لوگوں کو اپنے دین اور اپنے پیغمبر ﷺ کا انصار بنایا اور اپنے پیغمبر ﷺ کی ہجرت کے لئے تم لوگوں کا انتخاب کیا اور ان کی اکثر ازواج مطھرہ اور اصحاب تم لوگوں میں موجود ہیں، لھٰذا سابقہ مھاجرین کے علاوہ کوئی شخص بھی ہمارے نزدیک تم لوگوں سے زیادہ عزیز نہیں ہے، پس ہم امیر ہیں اور تم لوگ وزیر تم لوگوں کے مشورہ کے بغیر کوئی کام انجام نہیں دیا جائے گا۔

ایسے میں حباب بن منذر بن جموع کھڑے ہوگئے اور کہا اے گروہ انصار اپنا حق لے لو اس لئے کہ یہ لوگ تم لوگوں کے مرہون منت ہیں اور کوئی شخص بھی تم لوگوں کی مخالفت کی جرأت نہیں رکھتا اور لوگ تم لوگوں کے حق میں ہی رائے دیں گے تم لوگ ہی مکمل عزت و شرف، قدرت، تجربہ اور شجاعت کامل کے مظھر ہو۔ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ تم لوگ کیا کرتے ہو (تاکہ وہ ویسا ہی کریں) آپس میں اختلافات نہ کرنا ورنہ تباہ و برباد اور پست ہمت ہوکر رہ جاؤ گے اگر یہ لوگ اس بات کو قبول نہیں کرتے تو پھر ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر ان میں سے ہوگا۔

عمر نے کہا کہ دو (تلواریں) ایک نیام میں نہیں رہ سکتیں [59] خدا کی قسم عرب ھرگز اس بات کو قبول نہیں کریں گے کہ حکومت تم لوگوں کے حوالے کردی جائے جب کہ پیغمبر ﷺ تم لوگوں میں سے نہیں ہیں لیکن ان کے لئے اس بات میں کوئی قباحت نہیں کہ حکومت اور اس کے امور کی ذمہ داری ان افراد کے سپرد کردی جائے کہ جن سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق تھا ہمارے

پاس اس سلسلے میں مخالفین کے لئے واضح اور روشن دلیل ہے، اور جو شخص بھی محمد ﷺ کی ولایت کے سنبھالنے میں ہماری مخالفت کرے گا تو وہ گمراہ، خطا کار اور ھلاک ہونے والوں میں سے ہوگا اس لئے کہ ہم ان کے دوست اور ان کے خاندان والے ہیں، اتنے میں حباب بن منذر کھڑے ہوگئے اور کہا کہ اے گروہ انصار، خبردار اس شخص اور اس کے دوستوں کی باتوں میں نہ آنا، یہ چاھتے ہیں کہ اس امر میں سے تمھارے حصے کو ختم کردیں اور اگر وہ تم لوگوں کی مخالفت کرتے ہیں تو انھیں اپنے علاقہ سے باھر نکال دو اور حکومت اپنے ھاتھوں میں لے لو کہ تم لوگ ان سے زیادہ اس کے مستحق ہو، اس لئے کہ تم ہی لوگوں کی شمشیر زنی کی بدولت لوگ مسلمان ہوئے ہیں، میں تجربہ کار اور زمانہ کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف ہوں اگر تم لوگ چاھو تو از سر نو آغاز کریں۔

عمر نے کہا کہ خدا تجھے ھلاک کرے تو حباب نے جواب میں کہا کہ خدا تجھے بھی ھلاک کرے۔

ابو عبیدہ نے کہا اے گروہ انصار تم لوگوں نے سب سے پہلے دین کی نصرت اور مدد فرمائی لھذا اسے اپنے اصل راستے سے منحرف کرنے اور تبدیل کرنے میں پھل نہ کرو، نعمان بن بشیر کے والد بشیر بن سعد کھڑے ہوگئے اور کہا اے گروہ انصار! اگر ہمیں اس دین میں درخشاں ماضی اور مشرکین کے ساتھ جھاد کرنے کی فضیلت حاصل ہے تو یہ کام ہم نے اپنے لئے نہیں بلکہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کی رضا و خوشنودی اور اطاعت کی خاطر کیا ہے، اب یہ نامعقول بات ہے کہ اس کی وجہ سے ہم دوسروں پر اپنی برتری جتائیں ہم نے جو کچھ کیا مال دنیا اکٹھا کرنے کی خاطر نہیں کیا، یہ تو ہم پر خدا کا ایک احسان تھا۔ جان لو کہ محمد ﷺ کا تعلق قریش سے ہے اور ان کی قوم اس امر کی زیادہ حقدار ہے خدا نہ کرے کہ ہم ان سے اس امر پر لڑیں خدا سے خوف کرو اور اس بات پر ان سے لڑائی جھگڑا مت کرو، ابوبکر نے کہا کہ یہ عمر ہے اور یہ ابو عبیدہ، ان میں سے جس کی چاھے بیعت کر لو لیکن عمر اور ابو عبیدہ نے کہا کہ جب تک تم موجود ہو ہم اس عھدہ کی ذمہ داری نہیں لے سکتے، اس لئے کہ تم مھاجرین میں سب سے بھتر اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غار کے ساتھی ہو، تم کو نماز میں پیغمبر ﷺ کی جانشینی کا شرف حاصل ہے اور نماز مسلمانوں کے دین کا سب سے اہم رکن ہے، پھر کون تم سے زیادہ اس حق اور اس عھدہ کا سزاوار ہو سکتا ہے؟ لھذا اپنا ھاتھ آگے لاؤ تاکہ تمھاری بیعت کی جائے۔

ابھی یہ دونوں ابوبکر کی بیعت کرنا ہی چاھتے تھے کہ بشیر بن سعد نے ان سے پھلے آگے بڑھ کر بیعت کرلی، حباب بن منذر نے بشیر سے کھا: اے بشیر یہ تم نے اچھا کام نہیں کیا، آخر کس چیز نے تمھیں اس کام پر مجبور کیا؟ کیا چچا زاد بھائی کی حکومت کے حسد نے؟ کہا ھرگز نہیں بلکہ میں یہ چاھتا ہوں کہ جو حق خدا نے انھیں دیا ہے اس میں ان سے نہ لڑوں۔ (60)

جیسے ہی قبیلہ اوس والوں نے بشیر بن سعد کا یہ عمل دیکھا اور قریش کی دعوت سنی یہ سمجھ گئے کہ خزرجی (قبیلہ خزرج والے) سعد بن عبادہ کی حکومت چاھتے ہیں تو بعض افراد نے (جن میں اُسید بن حضیر جو حریفوں میں سے تھا) بعض سے کہا کہ خدا کی قسم اگر

خزرجی ایک دفعہ بھی تم پر حاکم بننے میں کامیاب ہوگئے تو ہمیشہ تم پر برتری جتائیں گے اور حکومت میں تمھیں کسی قسم کا کوئی حصہ نہ دینگے، اٹھو اور ابوبکر کی بیعت کرو بس وہ سب اٹھے اور ابوبکر کی بیعت کرلی، اس طرح وہ پلان جس پر سعد بن عبادہ اور خزرجی متحد ہوگئے تھے خراب ہوکر رہ گیا۔

ابوبکر بن محمد خزاعی کا کھنا ہے کہ قبیلہ اسلم نے بھی اس اجتماع میں حاضر ہوکر ابوبکر کی بیعت کرلی تھی، عمر کا کھنا ہے کہ جب میں نے دیکھا کہ قبیلہ اسلم کے افراد بیعت کر رہے ہیں تو اپنی کامیابی کا یقین ہوگیا، عبداللہ بن عبدالرحمٰن کا کھنا ہے کہ ہر طرف سے لوگ ابوبکر کی بیعت کے لئے آرہے تھے یہاں تک کہ سعد بن عبادہ کے کچل جانے کا ڈر ہوا، اسی اثنا میں اس کے چاھنے والوں میں سے ایک نے کہا کہ ذرا ہوشیار کھیں ایسا نہ ہوکہ سعد بن عبادہ کچل جائیں، عمر نے کہا کہ اسے ماردو کہ خدا اسے ھلاک کرے پھر سعد بن عبادہ کے پاس آکر کھنے لگے میں تو چاھتا تھا کہ تمھیں کچل کر رکھ دوں اور تمھارے دونوں ھاتھ توڑدوں، سعد نے بھی عمر کی داڑھی کو پکڑ لیا اور کہا خدا کی قسم اگر میرا ایک بال بھی کم ہوجاتا تو تمھاری جان بھی سالم نہ رہتی، اسی اثنا میں ابوبکر نے عمر سے کہا کہ صبر و تحمل سے کام لو یہاں نرمی بھتر ہے اس کے بعد عمر اس کے پاس سے ھٹ گئے۔

سعد نے کہا کہ اگر مجھ میں کھڑے ہونے کی ہمت و طاقت ہوتی تو مدینے کی گلی کوچوں میں اتنی چیخ و پکار کرتا کہ تم اور تمھارے ساتھی کھیں نظر نہ آتے، خدا کی قسم میں تمھیں ایسوں کے پاس بھیجتا کہ تم ان کی اتباع کرتے نہ یہ کہ وہ تمھاری اتباع کرتے، مجھے یہاں سے لے چلو اور پھر خزرجی اسے اس کے گھر لے گئے۔

حکام نے چند روز تک اس سے کوئی سروکار نہ رکھا اس کے بعد اس کے پاس ایک شخص کے ذریعہ پیغام بھجوایا کہ آکر بیعت کرو کہ تمام افراد اور تمھاری قوم نے بھی بیعت کرلی ہے، سعد نے جواب دیا کہ خدا کی قسم ھرگز تمھاری بیعت نہ کرونگا یہاں تک کے میرے ترکش میں جتنے تیز ہیں سب کو مار مار کر ختم کردوں اور نیزہ کی نوک کو خون سے رنگین کردوں اور بھرپور طاقت سے تم پر تلوار کا وار کروں اور اپنے دوستوں اور عزیز و اقارب کے ساتھ مل کر تم سے لڑوں، خدا کی قسم اگر تمام انس و جن بھی تمھارے ساتھ مل جائیں پھر بھی تمھاری بیعت نہ کروں گا یہاں تک کہ خدا کے حضور میں حاضر ہوکر اپنا نامۂ عمل دیکھ لوں۔

جب یہ جواب ابوبکر کو ملا تو عمر نے کہا کہ جب تک کہ بیعت نہ کر کے اس کا پیچھا نہ چھوڑنا لیکن بشیر بن سعد نے کہا کہ وہ ھٹ دھرم اور ضدی ہے بیعت نہیں کریگا چاھے اسے قتل کردو اور وہ اس وقت تک قتل نہ ہوگا جب تک کہ اس کے بیٹے اہل خانہ اور قریبی عزیز قتل نہ ہوجائیں اس سے سروکار نہ رکھو کہ وہ تمھارے لئے مضر نہیں ہے وہ ایک شخص ہی تو ہے، انھوں نے بشیر بن سعد کے اس مشورہ کو قبول کرلیا اور پھر سعد سے کوئی واسطہ نہ رکھا۔

سعد نہ ان کی نماز جماعت میں آتا تھا اور نہ ہی اجتماعات میں شرکت کرتا تھا اور جب حج پر جاتا اس وقت بھی ان کے ساتھ نہیں ٹھرتا تھا یہاں تک کہ ابوبکر انتقال کر گئے خدا ان پر رحمت نازل کرے۔

---

48. تاریخ طبری۔ ج3ص 218

49. سقیفہ و فدک۔ ص54، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج6 ص5۔

50. صحیح بخاری۔ ج4 ص345، حدیث۔ 6830

51. الامامۃ والسیاسۃ۔ ج1 ص21

53. ہو راوی الخبر

54. سورہ یونس 18۔

55. سورہ زمر 3۔

56. من ب

58. سورہ یونس آیت 18

59. زمر آیت 3

60. دوسری روایت میں عمر کا یہ جملہ اس طرح ہے "دو تلواریں ایک غلاف میں نہیں رہ سکتیں"

تیسرا حصہ: سقیفہ کے رونما ہونے کی صورت حال

تمہید

عام طور سے تاریخ میں رونما ہونے والے ہر حادثہ کا پیش خیمہ کوئی نہ کوئی گذرا ہوا واقعہ ہوتا ہے بلکہ ممکن ہے کہ گذرے ہوئے واقعہ کو آئندہ واقع ہونے والے واقعہ کی علت کہا جائے، واقعۂ سقیفہ اگرچہ ایک اتفاق اور ناگھانی حادثہ تھا لیکن گذشتہ عوامل اس کے وقوع پذیر ہونے میں مؤثر تھے۔

روایت ابی مخنف خود اس اہم واقعہ کو تو بیان کرتی ہے مگر اس کے عوامل و اسباب کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتی یا بھتر ہے کہ یہ کہا جائے کہ تاریخ طبری نے ابو مخنف کی کتاب سقیفہ میں سے صرف اسی حصہ کو نقل کیا ہے اور اگر ہمارے پاس خود اصلی کتاب موجود ہوتی تو شاید اس کے پھلوؤں سے مزید واقفیت ہوتی بھر حال ہر محقق اصل واقعہ کو بیان کرنے سے پھلے اس کے علل و اسباب کی تلاش میں رہتا ہے اور اجمالی طور پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے حالات و واقعات سے آگاھی ذھن میں اعتراضات کا سبب بنتی ہے خاص طور پر جب واقعہ غدیر پر نظر کی جائے، اس لئے کہ حدیث غدیر کا شمار متواتر احادیث میں ہوتا ہے [61] کہ شیعہ اور سنی اس پر اتفاق نظر رکھتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 10 ہجری میں حجۃ الوداع کے بعد اٹھارہ ذی الحجہ کو غدیر خم کے مقام پر تمام افراد کو ٹھرنے کا حکم دیا اور پھر ایک طویل خطبہ پڑھا اور فرمایا "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" جس کا میں مولا ہوں بس علی علیہ السلام بھی اس کے مولا ہیں، تاریخ کے اس اہم واقعہ کے رونما ہونے میں کسی بھی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

رسول اکرم ﷺ کے قول کی صراحت اور بے شمار قرائن حالیہ اور مقالیہ اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ مولا سے مراد ولایت اور جانشینی ہی ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی منصف مزاج اور مخلص محقق اس قدر شواھد اور ادّلہ کے باوجود اس بات میں ذرا سی بھی تردید رکھتا ہو۔

پھر آخر کیا ہوا کہ پیغمبر ﷺ کی رحلت کے بعد ابھی واقعۂ غدیر خم کو دو ماہ اور چند روز ہی گزرے تھے کہ لوگوں نے ہر چیز کو بھلا دیا تھا، اور سب سے عجیب بات یہ ہے وہ انصار جو اسلام میں درخشاں ماضی رکھتے تھے جنھوں نے اس سلسلے میں اپنی جان و مال تک کی پروانہ کی وہ سب سے پہلے سقیفہ میں جمع ہو کر خلیفہ اور جانشین پیغمبر ﷺ کا انتخاب کرنے لگے۔

اور اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ شیعہ اور سنی روایات [62] کے مطابق پیغمبر ﷺ کے چچا عباس بن عبد المطلب، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آخری لمحات تک آنحضرت ﷺ سے یھی پوچھتے رہے کہ کیا آپ کے بعد ولایت و ولی عھدی ہمارے خاندان میں ہے؟ اگر ہے تو ہم اسے جان لیں اور اگر نہیں ہے تو لوگوں کو ہمارے بارے میں وصیت کردی جائے۔

اگر پیغمبر ﷺ نے حکم وحی سے حضرت علی علیہ السلام کو اپنا جانشین بنادیا تھا تو اس سوال کا کیا مطلب ؟اور وہ بھی نزدیک ترین فرد کے ذریعے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو مستند اور صحیح جواب چاھتا ہے اور فقط چند ادبی عبارتوں اور شاعرانہ گفتگو سے اس کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔

اس سوال کے مستند اور صحیح جواب کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے ان واقعات پر ایک سر سری نگاہ ڈالی جائے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے لے کر واقعہ سقیفہ تک رونما ہوئے، اور ان کے عوامل و اسباب کا بغور جائزہ لیا جائے، پھر سقیفہ کے واقعے کی ابو مخنف کی روایت کی روشنی میں تحقیق کی جائے۔

ہجرت سے لیکر غدیر خم تک کے واقعات

1۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی ہجرت کے اسباب

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی نبوت کے ابتدائی حصہ ہی میں قریش سے تعلق رکھنے والے بدترین دشمنوں کا سامنا کرنا پڑا اور بے انتھا زحمت و مشقت کے بعد بھی صرف چند لوگ ہی مسلمان ہوئے ان میں سے اکثر کا تعلق معاشرے کے غریب و فقیر عوام سے تھا جب کہ امیر اور دولت مند افراد آپ کی مخالفت پر اڑے ہوئے تھے اور اسلام کو ختم کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے رہے لہٰذا انھوں نے آپ ﷺ کو اس قدر تنگ کیا کہ آپ ﷺ کے پاس ہجرت کے علاوہ کوئی اور چارہ نہ تھا۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے دین اسلام کی تبلیغ کے سلسلے میں کسی قسم کی کوئی کوتاھی نہ برتی بلکہ ذرا سی فرصت سے بھی زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاتے رہے، یھی وجہ تھی کہ جب آپ کی ملاقات بزرگان مدینہ اور وھاں کے معزز افراد سے ہوئی تو آپ نے انھیں اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے اسلام کو قبول کرلیا اور پیغمبر اسلام ﷺ سے عھد و پیمان کیا جسے "بیعۃ النساء" کہا جاتا ہے، شاید اس کے بیعۃ النساء کھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس عھد و پیمان میں کوئی جنگی معاہدہ نہیں ہوا تھا (63)۔

مشرکان قریش نے اسلام کو جڑ سے ختم کرنے کے لئے پیغمبر اسلام ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی کے ذریعہ ان کے ارادہ سے باخبر ہوگئے لھذا آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ رات کو پوشیدہ طور پر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں تاکہ مشرکین آپ ﷺ کے مکہ سے باھر جانے سے باخبر نہ ہونے پائیں آپ ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ اور اس طرح حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان پر اپنی جان کو فدا کردیا اور اطمینان کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر لیٹ گئے اور اپنے یقینِ کامل اور مستحکم ایمان کی وجہ سے ایک لمحہ کے لئے بھی شک و تردید اور خوف و ہراس کا شکار نہ ہوئے اور اپنے آپ کو ایسے خطرہ میں ڈال دیا کہ جس کے بارے میں جانتے تھے کہ

کچھ ہی دیر بعد دشمنوں کے نیزے اور تلواریں مجھ پر ٹوٹ پڑیں گی [64] پیغمبر ﷺ نے اس فرصت سے فائدہ اٹھایا اور مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

2۔ ہجرت کے بعد کے حالات اور پیغمبر ﷺ کی حمایت میں انصار کا کردار

آخرکار پیغمبر اسلام ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور اہل مدینہ نے پیغمبر ﷺ اور دوسرے تمام مہاجرین کا شاندار استقبال کیا اور پیغمبر اسلام ﷺ اور دین خدا کی خاطر ان کے سخت ترین کینہ پرور دشمنون یعنی مشرکین مکہ کے سامنے سینہ سپر ہوگئے اور سچ بات تو یہ ہے کہ اس سلسلے میں کسی بھی قسم کی کوشش اور قربانی سے دریغ نہ کیا، قرآن نے سورۂ حشر [65] میں ان کے ایثار و فداکاری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کی مدح سرائی کی ہے۔

مختصر یہ کہ انصار پیغمبر اسلام ﷺ کی حمایت اور دین اسلام کی بقاء و ترقی کی خاطر مشرکین قریش سے نبرد آزما ہونے اور اپنے آپ کو سخت ترین جنگوں میں مشغول رکھنے پر آمادہ ہوگئے، انھوں نے جو پھلی جنگ مشرکین قریش سے لڑی وہ جنگ بدر تھی جس میں مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ نہ تھی، اس کے باوجود مشرکین قریش کے ستر افراد کو قتل کردیا جن میں اکثر سردار قریش تھے [66] اور مسلمانوں کے کل چودہ افراد شھادت کے درجہ پر فائز ہوئے جن میں آٹھ افراد کا تعلق انصار سے تھا [67]۔

ابھی جنگ بدر کو ختم ہوئے کچھ وقت نہ گزرا تھا کہ جنگ احد واقع ہوگئی اور اس میں بھی مسلمان، مشرکین کے تیئیس افراد ھلاک کرنے میں کامیاب ہوگئے لیکن بعض مسلمانوں کی تساہلی کی وجہ سے جنھیں عینین نامی پھاڑی پر جمے رہنے کو کہا گیا تھا مسلمانوں کے تقریباً ستر افراد شھید ہوگئے [68]۔ معمولاً دو بڑی جنگوں کے درمیان کچھ سریہ اور غزوات بھی یکے بعد دیگرے وقوع پذیر ہوتے رہتے تھے۔

ہجرت کے پانچویں [69] سال تمام دشمنان اسلام متحد ہوگئے اور اسلام کو جڑ سے ختم کرنے کے لئے دس ھزار کے لشکر کے ساتھ مدینہ کا اس طرح محاصرہ کیا کہ پورے مدینہ میں خوف وہراس پھیل گیا، تاریخ میں اس جنگ کو جنگ خندق یا جنگ احزاب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

لیکن مولا علی علیہ السلام کی شجاعت و بھادری اور آپ کی وہ تاریخی ضربت جو آپ نے عمرو بن عبدود (جو عرب کا ایک نامور پھلوان تھا) کے سر پر لگائی تھی اس نے اس جنگ کو مسلمانوں کے حق میں کردیا اور پھر شدید بارش اور طوفان کی وجہ سے مشرکین نھایت خوف زدہ ہوگئے اور انھوں نے مدینہ کا محاصرہ ختم کردیا [70]، مجموعی طور پر پیغمبر اسلام ﷺ نے مدینہ ہجرت کے بعد دس سال کے عرصہ میں چوھتر جنگوں کا سامنا کیا جن میں سریہ اور غزوات بھی شامل تھے [71] ان تمام جنگوں میں انصار نے اہم کردار

ادا کیا یہاں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اسلام نے انصار کی مدد کی وجہ سے کافی ترقی کی اور اسی نصرت و مدد کی وجہ سے پیغمبر اسلام ﷺ نے انھیں انصار کے نام سے یاد کیا۔

مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہورہا تھا اور اس دوران بعض لوگ اسلام کو حق سمجھتے ہوئے مسلمان ہورہے تھے جبکہ بعض افراد اسلام کی قدرت اور شان و شوکت دیکھ کر یا پھر اس منفعت کے مد نظر مسلمان ہوئے جو انھیں اسلام قبول کرنے کے بعد حاصل ہو سکتی تھی۔

بالآخر آٹھ ہجری میں مکہ فتح ہوا اور اسلام سارے جزیرۃ العرب پر چھا گیا، اہل مکہ نے جب اسلام کے سپاھیوں کی یہ شان و شوکت دیکھی تو ان کے پاس اسلام لانے کے علاوہ کوئی دوسری راہ نہ تھی (72)، اس وقت مسلمانوں کی تعداد اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی لیکن وہ ایمانی لحاظ سے مضبوط نہ تھے اورچند حقیقی مسلمان اور پیغمبر ﷺ کے مطیع و فرمانبردار افراد کے علاوہ اگر بقیہ تمام افراد کو مصلحتی مسلمان کہا جائے تو بے جانہ ہوگا۔

مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ سے اب انصار جزیرۃ العرب کے تنہا مسلمان نہ تھے بلکہ مسلمانوں کے جم غفیر میں ایک چھوٹی سی جماعت کی حیثیت رکھتے تھے لیکن پیغمبر اسلام ﷺ ہمیشہ انصار کی حمایت اور ان کی قدر دانی کرتے تھے اس لئے کہ انھوں نے اسلام کے ابتدائی دور میں کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا تھا، عرصہ دراز پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و تربیت کے زیر سایہ رہنے کی وجہ سے ان کی اکثریت با ایمان تھی یہاں تک کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں بھی انھیں فراموش نہ کیا اور ان کے سلسلے میں سب کو یہ وصیت فرمائی۔ "انھم کانو عیبتی التی أویتُ الیھا فأحسنوا الی محسنھم و تجاوزوا عن مُسیئتھم" (73) "انصار میرے قابل اعتماد اور ہم راز تھے میں نے ان کے پاس پناہ لی لھذا ان کے نیک افراد کے ساتھ نیکی اور ان کے بروں سے درگذر سے کام لینا" انصار بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عنایات اور حمایت کی وجہ سے ہمیشہ جوش و خروش سے سرشار رہتے تھے۔

---

61. سعد بن عبادہ بشیر بن سعد کے چچا زاد بھائی تھے۔

62. اس روایت کی تمام اسناد کو علامہ امینی نے اپنی کتاب "الغدیر" میں بیان کیا ہے۔

64. السیرۃ النبویہ: ابن ھشام۔ ج2 ص73۔

65. تاریخ طبری: ج2 ص 372، التفسیر الکبیر: ج6 ص50۔

66. آیت19۔

69. تاریخ یعقوبی۔ ج2 ص49

70. الکامل فی التاریخ۔ ج1 ص568

71. تاریخ یعقوبی۔ ج2 ص50

72. الطبقات الکبریٰ۔ ج2 ص5، 6 (غزوات کی تعداد 27 اور سریہ کی تعداد 47، غزوہ یعنی وہ جنگ جس میں پیغمبر اکرم (ص. خود شریک تھے، سریہ یعنی وہ جنگ جس میں پیغمبر اکرم (ص. خود شریک نہیں تھے بلکہ کسی کی سپہ سالاری میں فوج بھیج دیتے تھے)

73. تاریخ یعقوبی: ج2 ص60 (قریش نہ چاھتے ہوئے بھی حکم خدا کے سامنے تسلیم ہوگئے)

حضرت علی ؏ کی جانشینی کے سلسلے میں ابلاغ وحی کی کیفیت

سورہ (اذا جاء نصر اللہ والفتح) [74] نازل ہونے کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قسم کے جملے ادا کررہے تھے جن سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اب آپ کی وفات کے دن نزدیک ہیں [75] نیز حجۃ الوداع میں آپ ﷺ خطبات میں صریحی یا غیر صریحی طور پر اپنی وفات کے نزدیک ہونے سے باخبر کر رہے تھے [76]، تو ایسی صورت میں یہ ایک طبیعی و فطری بات تھی کہ لوگوں کے ذھن میں یہ سوال پیدا ہو کہ پیغمبر ﷺ کے چلے جانے کے بعد مسلمانوں کے امور کس کی زیر قیادت انجام پائیں گے اور آئندہ کا لائحہ عمل کیا ہوگا؟ ظاھری طور پر ہر قوم و قبیلے کی یھی کوشش تھی کہ پیغمبر اسلام ﷺ کا جانشین ان میں سے ہو اور اس سلسلے میں وہ اپنے آپ کو اس امر کا زیادہ سزاوار سمجھتے تھے اور اسی فکر میں ڈوبے رہتے تھے۔ اگرچہ پیغمبر اسلام ﷺ مواقع پر حضرت علی ؏ کی جانشینی کا اعلان کر چکے تھے [77] لیکن اب تک جو اعلان ہوا تھا معمولاً وہ بھت ہی کم افراد کے سامنے ہوا لھذا غدیر خم پر یہ وحی آئی کہ اس بارے میں ہر قسم کے شک و شبہ کو دور کردیا جائے اور حضرت علی علیہ السلام کی جانشینی کا واضح اعلان کیا جائے، وحی کے نزول کے بعد پیغمبر اسلام ﷺ مناسب موقع کی تلاش میں تھے تاکہ اس پیغام کو تمام لوگوں تک پھونچایا جاسکے لیکن چونکہ پیغمبر اسلام ﷺ اس وقت کے ماحول سے اچھی طرح واقف تھے لھٰذا ایسے ماحول کو ابلاغ وحی کے لئے مناسب نہیں سمجھتے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ پھلے اچھی طرح میدان ہموار ہوجائے اور نھایت مناسب موقع ملتے ہی وحی کے اس پیغام کو پھونچا دیا جائے، البتہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ضروری ہے کہ وحی الھی نے صرف حضرت علی علیہ السلام کی خلافت اور جانشینی کے اعلان کا حکم دیا تھا اور اس کے اعلان کے لئے مناسب موقع کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صوابدید پر چھوڑ دیا تھا [78] اب اگر بعض روایات [79] اس بات کی نشاندھی کرتی ہوں کہ پیغمبر اسلام ﷺ ابلاغ وحی کے سلسلے میں تاخیر سے کام لے رہے تھے تو اس کا مقصد ہرگز کوتاھی نہیں ہے جیسا کہ شیخ مفید (رح) فرماتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ پر پہلے ہی وحی نازل ہوگئی تھی لیکن اس کا وقت معین نہیں کیا گیا تھا لھذا پیغمبر اسلام ﷺ ایک مناسب موقع کی تلاش میں تھے اور جب غدیر خم کے مقام پر پھنچے تو آیۂ تبلیغ نازل ہوئی [80] اور یہ کہ اس سلسلے میں پہلے ہی وحی آچکی تھی اور پیغمبر اسلام ﷺ مناسب موقع کی تلاش میں ہے اس کے لئے آیۂ تبلیغ [81] خود منہ بولتا ثبوت ہے اس لئے کہ آیت میں کہا گیا ہے "اے رسول ﷺ جو کچھ آپ پر وحی کی جاچکی ہے اسے پھونچادیں" اور اس کے بعد آیت تھدید کرتی ہے کہ اگر اس کام کو انجام نہ دیا تو رسالت کا کوئی کام انجام نہ دیا یعنی یقینی طور پر اس سلسلے میں آپ پر پہلے کوئی وحی ضرور نازل ہوئی ہے جب ہی تو آیت میں کہا گیا ہے کہ جو کچھ آپ پر نازل کیا جاچکا ہے اسے پھونچا دیجئے اور آیت میں جو تھدید موجود ہے اس سے یہ بات ظاھر ہوتی ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ اسباب کی بنا پر ابلاغ وحی کو مناسب موقع کے لئے چھوڑے ہوئے تھے اور اس کے بعد آیت میں ارشادِ قدرت ہے (واللہ یعصمک من الناس) "یعنی خدا آپ کو دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے گا"۔

اس آیت اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابلاغ وحی کی کیفیت پر غور کرنے سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس وقت کس قسم کے حالات درپیش تھے اور معاشرہ کس نھج پر تھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابلاغ وحی میں مناسب موقع تک تاخیر کردی؟ اگر اس سوال کا صحیح اور درست جواب مل جائے تو اس سلسلے میں اٹھنے والے بہت سے شبہات اور سوالات کا جواب دیا جاسکتا ہے اور ہمیں اس وقت کے مسلمانوں کے سماجی اور سیاسی حالات کے بارے میں کافی حد تک معلومات ہوسکتی ہیں۔

تو آیئے ان سوالات کے صحیح جوابات جاننے کے لئے ہم اس دور کے مسلمانوں کے کچھ اہم سیاسی اور سماجی حالات کے بارے میں بحث اور تحقیق کرتے ہیں۔

1۔ نئے مسلمانوں کی اکثریت

اگرچہ پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی کے آخری لمحات میں مسلمانوں کی تعداد اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی مگر ان میں اکثریت نئے مسلمانوں کی تھی، اگرچہ ان میں ایسے افراد بھی تھے جو پختہ ایمان رکھتے تھے لیکن ایسے افراد کی تعداد ان افراد کے مقابلے کچھ بھی نہ تھی جو صلابتِ ایمانی کے مالک نہ تھے [82] اس لئے کہ بعض افراد اپنے مفاد کی خاطر مسلمان ہوئے تھے تو بعض اقلیت میں رہ جانے کی وجہ سے اور ان کے پاس مسلمان ہونے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا، اور بعض افراد ایسے بھی تھے جو آخری دم تک اسلام اور مسلمانوں سے لڑتے رہے اور جب لڑنے کے قابل نہ رہے تو پھر دوسرا راستہ اپنا لیا۔ ابوسفیان اور اس کے ماننے والے اسی قسم کے افراد تھے اور فتح مکہ میں ان کا شمار طلقا (آزاد شدہ) میں ہوتا تھا لھٰذا ایسی صورت حال میں واضح سی بات ہے کہ اس امر عظیم کو پھونچانا کوئی آسان کام نہ تھا بلکہ یہ بہت سی مشکلات کا پیش خیمہ بن سکتا تھا۔

2۔ مسلمانوں کے درمیان منافقین کا وجود

پیغمبر اسلام ﷺ کے دور میں ایک سب سے بڑی مشکل مسلمانوں کے درمیان منافقین کا وجود تھا یہ گروہ ظاھری طور پر مسلمان تھا مگر باطنی طور پر اسلام پر کسی قسم کا اعتقاد نہ رکھتا تھا بلکہ موقع ملتے ہی اسلام کو نقصان پھونچاتا اور مسلمانوں کی گمراھی کا سبب بنتا۔

قرآن کریم نے اس سلسلے میں سوروں میں سخت ترین لھجہ میں ان سے خطاب کیا ہے جیسے سورہ بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ، انفال، توبہ، عنکبوت، احزاب، فتح، حدید، حشر اور منافقون نیز مجموعی طور پر قرآن میں سینتیس مقامات پر کلمۂ نفاق استعمال ہوا ہے۔

یہ افراد جن کی تعداد جنگ احد میں تمام مسلمانوں کی ایک تھائی تھی "عبد اللہ بن ابی" کی سرکردگی میں جنگ کرنے سے الگ ہوگئے اور مسلمانوں میں تفرقہ کا باعث بنے کہ سورۂ منافقون انھیں لوگوں کے بارے میں نازل ہوا ہے (83) اب آپ خود سوچیں کہ جب کہ نہ ابھی اسلام کے اس قدر طرفدار موجود ہیں اور نہ اس کے پاس کوئی خاص اقتدار ہے اور اعتقاد کو چھپانے کا بھی کوئی خاص مقصد دکھائی نہیں دیتا اس کے باوجود مسلمانوں کی کل آبادی میں سے ایک تھائی تعداد منافقین کی تھی تو اب آپ اندازہ لگائیں کہ جب اسلام مکمل طور سے بر سر اقتدار آگیا اور سارے جزیرۃ العرب پر چھا گیا تھا تو ان کی تعداد کس قدر بڑھ چکی ہوگی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ اس گروہ کی مخالفت سے دوچار رہتے تھے اور خاص طور پر حجۃ الوداع میں یہ تمام افراد پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ تھے اور یہ بات واضح و روشن تھی کہ یہ لوگ کسی بھی صورت حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کو قبول نہ کرینگے اور فتنہ و فساد پھیلائیں گے اور امنیت خطرہ میں پڑ جائے گی اور اس طرح خود اسلام اور قرآن کو نقصان پہنچے گا لھٰذا ایسی صورت حال کے پیش نظر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فکر مند ہونا خالی از امکان نہ تھا۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی کے آخری لمحات تک منافقین کے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا یہاں تک کہ عمر آپ کی وفات کا انکار کرتے ہوئے یہ کہہ رہے تھے کہ کچھ منافقین یہ خیال کر رہے ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ وفات پاگئے ہیں (84) اور اسی طرح بعض تاریخی کتابیں اس بات کو بیان کرتی ہیں کہ اسامہ کے جوان ہونے پر اعتراض کر کے ان کی سرداری سے انکار کرنے والے افراد منافقین ہی تھے (85)، یہ گروہ پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی میں آپ کا بدترین دشمن سمجھا جاتا تھا لیکن نہیں معلوم آخر کیا ہوا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد خلفاء ثلاثہ کے لئے کسی قسم کی مشکل پیش نہ آئی اور یہ گروہ ایک دم سے غائب ہوگیا۔ کیا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد یہ سب کے سب ایک دم بالکل سچے مسلمان ہوگئے تھے یا کوئی مصلحت ہوگئی تھی یا پھر ایسے افراد بر سر اقتدار آگئے تھے کہ جو منافقین کے لئے کسی بھی طرح مضر نہ تھے؟!

3۔ بعض افراد کی حضرت علیہ السلام سے کینہ پروری

عربوں کی ایک نمایاں خصلت کینہ پروری ہے (86) اور اس بات کے پیش نظر کہ حضرت علی علیہ السلام نے ابتداء اسلام ہی سے متعدد جنگوں میں شرکت کی اور بھت سے افراد آپ کے دست مبارک سے قتل ہوئے اور ان مقتولین کے ورثاء مسلمانوں کے درمیان موجود تھے اور یہ افراد شروع سے ہی اپنے دلوں میں حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے کینہ رکھتے تھے لھٰذا یہ امکان تھا کہ یہ لوگ ھرگز آپ کی خلافت پر راضی نہ ہوں گے۔

یہ کھنا کہ یہ لوگ سچے مسلمان ہوگئے تھے اور انھوں نے ماضی کے تمام واقعات و حوادث کو بھلادیا تھا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ عربوں کی خصلت سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں خاص طور پر اس زمانے کے عربوں سے، مثال کے طور پر جب سورۂ

منافقون نازل ہوا اور عبد اللہ بن ابی (جو منافقین کا سردار تھا) رسوا ہوگیا تو عبد اللہ بن ابی کے بیٹے نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنے باپ کو خود ہی قتل کردوں اس لئے کہ میں یہ نہیں چاھتا کہ کوئی دوسرا اسے قتل کرے اور میں اس کا کینہ اپنے دل میں رکھوں (87)، صدر اسلام میں اس قسم کی بھت سی مثالیں موجود ہیں لیکن غور کیا جائے تو صرف یھی ایک مثال کافی ہے کہ کس طرح سے ایک آدمی اس بات پر راضی ہے کہ وہ اپنے ھاتھوں سے اپنے باپ کو قتل کردے لیکن کوئی دوسرا اسے قتل نہ کرے کھیں ایسا نہ ہو اس کا کینہ اپنے دل میں لئے رکھے، اس واقعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ بعض افراد حضرت علی علیہ السلام سے کینہ کیوں رکھتے تھے۔

4۔ حضرت علی علیہ السلام کے جوان ہونے پر اعتراض

بعض افراد دور جاہلیت کے افکار رکھنے کی وجہ سے کسی بھی صورت میں اس بات پر راضی نہ تھے کہ وہ اپنے سے کم سن ایک جوان کی اطاعت کریں یہ لوگ ایک جوان کی حکومت کو اپنے لئے باعث ننگ و عار سمجھتے تھے، مثال کے طور پر عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں: عمر کے دور خلافت میں ایک روز میں عمر کے ساتھ جارہا تھا انھوں نے میری طرف رخ کر کے کہا کہ وہ (حضرت علی علیہ السلام) تمام افراد میں اس امر خلافت کے سب سے زیادہ سزاوار تھے لیکن ہم دو چیزوں سے خوفزدہ تھے ایک یہ کہ وہ کمسن ہیں اور دوسرے یہ کہ وہ فرزندان عبد المطلب کو دوست رکھتے ہیں (88)، دوسری مثال یہ کہ جب حضرت علی علیہ السلام کو زبردستی ابوبکر کی بیعت کے لئے مسجد میں پکڑ کر لائے اور ابو عبیدہ نے دیکھا کہ حضرت علی علیہ السلام کسی بھی صورت بیعت نہیں کر رہے ہیں تو اس نے حضرت علی علیہ السلام کی طرف رخ کیا اور کہا کہ آپ کمسن ہیں اور یہ آپ کی قوم کے بزرگ ہیں اور آپ ان کی طرح تجربہ کار نہیں ہیں لھذا ابوبکر کی بیعت کرلیں اور اگر آپ آئندہ زندہ رہے تو آپ صاحب فضل و معرفت، متدین، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ترین فرد ہونے کی وجہ سے اس امر کے لئے سب سے زیادہ سزاوار ہیں (89)، تو حضرت علی علیہ السلام کو امر حکومت کا سب سے زیادہ سزاوار اور مناسب سمجھنے کے باوجود اس بات کو قبول کرنے پر راضی نہ تھے کہ ایک جوان ان پر حکومت کرے۔

اس چیز کا مشاہدہ زید بن اسامہ کے لشکر میں بھی کیا جاسکتا ہے جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسامہ کو ایک ایسے فوجی دستہ کی سرداری کے لئے منتخب کیا کہ جس میں قوم کے بزرگان بھی شامل تھے تو بعض افراد نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس انتخاب پر اعتراض کیا جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس اعتراض کا پتہ چلا تو آپ غصہ ہوئے، منبر پر تشریف لائے اور فرمایا: کہ تم لوگ اس سے پھلے اس کے والد کے انتخاب پر بھی اعتراض کرچکے ہو حالانکہ یہ اور اس کے والد سرداری کی لیاقت رکھتے تھے اور رکھتے ہیں (90)۔

اگر چہ ایک لحاظ سے اس کی وجہ حسد بھی ہو سکتی ہے کیوں کہ جب ان افراد نے اس چیز کا مشاہدہ کیا کہ ایک جوان "حضرت علی علیہ السلام " جیسا کہ جو اس قدر صلاحیت اور لیاقت رکھتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چلے جانے کے بعد بھی جوان ہمارا امیر اور حاکم ہوگا تو شدت سے آپ سے حسد کرنے لگے۔

5۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی نافرمانی

مسلمانوں کے درمیان بعض ایسے افراد بھی تھے کہ جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت بعض شرائط کے ساتھ کیا کرتے تھے جب تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ان کے لئے مضر نہ ہو تو کوئی بات نہیں لیکن اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی ایسا حکم دیتے کہ جو ان کی خواھشات کے مطابق نہ ہوتا یا یہ کہ وہ اپنی ناقص عقل سے اس کی مصلحت درک نہیں کرپاتے تھے تو کھلے عام یا مخفی طور پر اس سے سرپیچی کرتے تھے، مثال کے طور پر حجۃ الوداع کے موقع پر کچھ فرائض کو انجام دینے سے بعض افراد نے مخالفت کی، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کے دوران فرمایا: اگر کوئی شخص اپنے ساتھ قربانی کے لئے جانور نہیں لایا تو وہ اپنے حج کو عمرہ میں تبدیل کردے اور جو اپنے ساتھ جانور لائے ہیں وہ اپنے احرام پر باقی رہیں، بعض افراد نے اس امر کی اطاعت کی اور بعض افراد نے مخالفت کی [91] اور ان مخالفین میں سے ایک عمر بھی تھے [92] اور اس کی دوسری مثال صلح حدیبیہ کے موقع پر عمر کا اعتراض کرنا ہے [93]، اسی کی ایک اور مثال اسامہ کی سرداری پر اعتراض [94] اور ان کے ساتھ جانے سے انکار کرنا ہے جب کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار اس امر کی تاکید کر رہے تھے کہ مھاجرین اور انصار سب کے سب اسامہ کے لشکر کے ساتھ مدینہ سے باھر چلے جائیں لیکن بعض بزرگ مھاجرین نے بھانے بنا کر اس امر کی مخالفت کی [95] یہاں تک کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں پر لعنت بھی کی جنھوں نے آپ کے اس حکم کی مخالفت کرتے ہوئے اسامہ کے لشکر میں شرکت نہیں کی [96]۔

نیز اس کی ایک اور مثال نوشتہ لکھنے کا واقعہ ہے کہ جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آخری لمحات میں پیش آیا [97]، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قلم اور دوات لے آؤ تاکہ تمھارے لئے ایک ایسی چیز لکھ دوں جس کے بعد تم لوگ گمراہ نہ ہوگے! لیکن عمر نے کہا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ھذیان بک رہے ہیں بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ بعض افراد نے کہا کہ بات وھی قابل قبول ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھی ہے اور بعض نے کہا کہ عمر صحیح کہہ رہے ہیں [98] یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ عمر اور بعض دوسرے افراد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امر کی مخالفت کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ھذیان کی تہمت لگا رہے تھے!!! جس کے بارے میں قرآن نے صریحی طور پر فرمایا: (ما ينطق عن الهويٰ) [99]۔

گذشتہ بیان کی روشنی میں اس بات کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ آخر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابلاغ وحی کے سلسلے میں کسی مناسب موقع کی کیوں تلاش میں تھے؟ یقیناً صرف اس لئے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کے حالات سے اچھی طرح واقف تھے

کہ وہ ان کی مخالفت کریں گے یعنی اگر وہ حضرت علی علیہ السلام کی جانشینی اور خلافت کا اعلان کریں تو بعض لوگ کھلم کھلاّ پیغمبر کے مدمقابل آجائیں گے اور ھرگز اس امرپر راضی نہ ہونگے لیکن آیۂ تبلیغ کے آخر میں خداوند عالم نے پیغمبر اسلام ﷺ کو اطمینان دلایا کہ خداوند عالم آپ کو محفوظ رکھے گا یعنی خدا آپ ﷺ کو لوگوں کے شر اور ان کی علنی مخالفت سے محفوظ رکھے گا۔

اس بات کی تائیدہ وہ روایت کرتی ہے جو جابر بن عبداللہ انصاری اور عبداللہ بن عباس سے تفسیر عیاشی میں نقل ہوئی ہے "فتخوّف رسول اللہ ان یقولوا حامیٰ ابن عمّہ وان تطغوا فی ذلک علیہ"[100] یعنی پیغمبر ﷺ کو اس بات کا خطرہ تھا کہ لوگ کھیں گے کہ پیغمبر ﷺ نے یہ کام اپنے چچازاد بھائی کی حمایت میں کیا ہے اور اس طرح سرکشی کریں گے، اگرچہ بعض[101] نسخوں میں "حامی" کی جگہ خابیٰ اور "تطغوا" کی جگہ یطعنوا آیا ہے کہ ایسی صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ پیغمبر ﷺ کا خوف لوگوں کے طعنوں کی وجہ سے تھا، اگر یہ لفظ بھی ہو تو تب بھی ہماری گذشتہ بات پر دلالت کرتا ہے لیکن یہ چیز بعید ہے کہ پیغمبر محض لوگوں کے طعنوں سے بچنے کی خاطر ابلاغ وحی کو کسی مناسب موقع کے لئے ٹال رہے ہوں، ظاھراً تطغوا والی عبارت زیادہ صحیح ہے، یعنی پیغمبر ﷺ کو علنی مخالفت اور سرکشی کا خطرہ تھا۔

ہماری اس وضاحت کے بعد اس اعتراض کا جواب بھی دیا جاسکتا ہے کہ اگر آیت کی مراد یہ تھی کہ ولایت علی علیہ السلام کا اعلان کرو اور پھر خدا نے پیغمبر ﷺ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھنے کا وعدہ بھی کیا تھا تو پھر کیونکر حضرت علی علیہ السلام پیغمبر ﷺ کی وفات کے بعد خلافت پر نہیں پھنچ پائے مگر کیا ممکن ہے کہ خدا کا وعدہ پورا نہ ہو؟![102] اس کا جواب یھی ہے کہ وحی الٰھی نے وعدہ کیا تھا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کو لوگوں کی کھلم کھلا مخالفت اور سرکشی سے محفوظ رکھے گا اور ایسا ہی ہوا جیسا کہ روایات غدیر اس بات کی شاھد ہیں۔

اس کے علاوہ یہ کہ آیت میں کہا گیا ہے (واللہ یعصمک من الناس) یعنی خدا آپ ﷺ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا اور اس سے مراد بھی وھی ہے جو بیان کیا جاچکا ہے کہ خدا رسول ﷺ کو لوگوں کی علنی مخالفت سے محفوظ رکھے گا اور آیت میں یہ نہیں کہا گیا "واللہ یعصمہ من الناس" کہ خدا اسے (یعنی حضرت علی علیہ السلام کو) لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا کہ ہم اس آیت کو حضرت علی علیہ السلام کی ظاھری خلافت کے لئے وعدہ الٰھی قرار دیدیں۔

6۔ غدیر خم کے بعد اہل بیت علیہم السلام کے خلاف سازشیں

غدیر کے واقعہ نے مسلمانوں اور اسلامی معاشرہ کے لئے واضح طور پر ان کے آئندہ کا وظیفہ بیان کردیا تھا، جو لوگ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطیع و فرمانبردار تھے انھوں نے اسے دل و جان سے قبول کرلیا اور جو لوگ اندرونی طور پر اس کے مخالف تھے مگر اس وقت اس کا اظھار کرنے کی قوت نہ رکھتے تھے انھوں نے بھی ظاھری طور پر اسے قبول کرلیا اور حضرت علی

ﷺ کو ان کی جانشینی پر مبارک باد پیش کی اور اس کی واضح مثال ابوبکر اور عمر کا وہ معروف جملہ ہے "بخٍ بخٍ لک یا بن أبی طالب"۔ (103)

جو لوگ حضرت کی جانشینی اور خلافت کے مخالف تھے اور حکومت حاصل کرنا چاہتے تھے اگرچہ ظاھری طور پر اسے قبول کر چکے تھے مگر باطنی طور پر بھت سخت پریشان اور فکر مند تھے اور ہر ممکن کوشش کر رہے تھے کہ کسی بھی طرح حضرت علی ؑ کو راستے سے ھٹا کر خود حکومت پر قابض ہوجائیں اور اس بات پر بھت سے شواھد موجودہیں جن میں سے بعض کی طرف ہم اشارہ کر رہے ہیں۔

---

74. السیرۃ النبویۃ ابن ھشام: ج4 ص300، الطبقات الکبریٰ: ج1 ص250، 251، انساب الاشراف: ج2، ص72، نھج البلاغہ: خطبہ68، ص52۔

75. سورہ مبارکہ نصر: آیت1 (جب خدا کی مدد اور فتح کی منزل آجائے گی)

76. الطبقات الکبریٰ ج1 ص192، 193۔

77. الطبقات الکبریٰ ج1 ص181۔

78. جیسے، حدیث طیر، منزلت وغیرہ۔

79. المیزان فی تفسیر القرآن۔ ج446

80. تفسیر عیاشی۔ ج1 ص360، بحار الانوار۔ ج37 ص165، جامع الاخبار۔ ص10۔

81. ارشاد۔ ج1 ص170

82. سورہ مبارکہ مائدہ آیت 67

83. اس روایت کی روشنی میں جو یہ بیان کرتی ہے کہ پیغمبر اسلام (ص.کی وفات کے بعد لوگ مرتد ہوگئے تھے، جیسے روایت ابن اسحاق میں ہے کہ "ارتد العرب" (عرب مرتد ہوگئے.السیرۃ النبویۃ: ابن ھشام۔ ج4 ص316۔

84. سنی اور شیعہ تفاسیر اس چیز کو بیان کرتی ہیں۔

85. انساب الاشراف۔ ج2ص 742

86. تاریخ طبری۔ ج3 ص184، الکامل فی التاریخ ج2 ص5۔

87. تاریخ ادبیات عرب۔ ص35۔

88. تفسیر طبری۔ ج14 جز28، ص148۔ (حدیث 26482)

89. السقیفہ و فدک، ص52، 70

91. السیرۃ النبویۃ: ابن ھشام ج4 ص299، 300۔ الطبقات الکبریٰ۔ ج1 ص190، 249، تاریخ یعقوبی۔ ج2ص13، الکامل فی التاریخ۔ ج2 ص5۔

92. الطبقات الکبریٰ۔ ج1ص187، ارشاد۔ ج1 ص174

93. ارشاد۔ ج1 ص174

94. تاریخ طبری: ج2 ص634

95. السیرۃ النبویۃ: ابن ھشام ج4 ص299، الطبقات الکبریٰ ج1 ص190۔

97. السقیفہ و فدک: ص74، 75۔

98. الطبقات الکبریٰ: ج1 ص244۔ انساب الاشراف۔ ج2 ص738، تاریخ طبری۔ ج3 ص192

100. سورۂ مبارکہ نجم: آیت3 (پیغمبر ھرگز اپنی مرضی سے بات نہیں کرتے)۔

101. تفسیر عیاشی۔ ج1 ص360

102. تفسیر عیاشی۔ ج1 ص360 کا حاشیہ، تفسیر میزان ج6 ص54۔

اول: عام شواھد

پیغمبر اسلام ﷺ واقعہ غدیر کے بعد اکثر حضرت علی علیہ السلام کی جانشینی اور آپ کے فضائل کا تذکرہ کرتے رہتے تھے اور ہمیشہ اہل بیت علیہم السلام کے سلسلے میں وصیت فرماتے تھے اور مسلسل لوگوں کو اپنے چلے جانے کے بعد خطرات سے آگاہ کر کے اتمام حجت کر رہے تھے اور اس کی روشن مثال وہ حدیث ہے جو اکثر شیعہ اور سنی احادیث کی کتابوں میں نقل ہوئی ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں ارشاد فرمایا: (أقبلت الفتن كقطع الليل المظلم)(104) یعنی فتنے پے در پے اور مسلسل تاریک راتوں کی طرح آئیں گے اکثر روایات کے الفاظ یھی ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ اس جملے کی تکرار اس رات زیادہ کر رہے تھے کہ جب آپ اہل بقیع کے لئے استغفار کرنے گئے ہوئے تھے آخر اسلامی معاشرے میں ایسا کونسا حادثہ رونما ہوا تھا اور کس قسم کے حالات پیش آنے والے تھے جو اس قدر دلسوز کلمات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے جاری ہوئے تھے اور وہ بھی زندگی کے آخری دنوں میں اور ان تمام تر زحمتوں اور مشقتوں کے بعد جو خداوند متعال کے قوانین کے مطابق اسلامی معاشرے کی تشکیل کے سلسلے میں آپ ﷺ نے برداشت کیں، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے یہ جملے سننے کے بعد ایک با ایمان مسلمان کا دل غم و اندوہ سے پر ہوجاتا ہے اور وہ آہ سرد کھینچتا ہے آخر ایسا کیوں نہ ہوا کہ پیغمبر اسلام ﷺ انتھک محنت کے بعد کم از کم اطمینان اور آرام و سکون کے ساتھ اس امت سے رخصت ہوکر اپنے پروردگار عالم کی طرف رحلت کر جاتے۔

پیغمبر اسلام ﷺ کے اس قسم کے بیانات در حقیقت ان سازشوں کی طرف اشارہ تھے کہ جو بعض لوگ مخفی طور پر اسلام کو اس کے اصل محور سے ھٹانے کے سلسلے میں کوشاں تھے گویا آپ آئندہ اٹھنے والے فتنوں کی پیشین گوئی کر رہے تھے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ فتنہ گر کون تھے اور ان کے مقاصد کیا تھے؟ یہاں ہماری یھی کوشش ہوگی کہ تاریخی حوالوں کے ذریعہ ان فتنہ گروں کی نشاندھی کردیں۔

دوم: بنی امیہ اور ان کے ہم خیال افراد کی سازشیں

بنی امیہ ہمیشہ اپنے آپ کو حکومت کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے اور ہمیشہ اس سلسلے میں بنی ھاشم سے نزاع کرتے رہتے تھے اسی وجہ سے اعلان بعثت کے بعد شدت سے آپ ﷺ کی مخالفت کر رہے تھے یہاں تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف سازشیں کر کے لوگوں کو آپ ﷺ کے خلاف جنگ کے لئے آمادہ کیا لیکن اس کا نتیجہ ذلت و خواری کے ساتھ شکست اور مجبور ہوکر اسلام قبول کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ ہوا مگر حکومت کا نشہ ان کے اندر پھر بھی اپنی جگہ باقی رہا۔

یہ لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ جب تک پیغمبر اسلام ﷺ زندہ ہیں ان کی تمنائیں اور آرزوئیں پوری نہیں ہوسکتیں لھذا وہ لوگ پیغمبر اسلام ﷺ کے انتقال کے منتظر تھے لیکن کیوں کہ یہ لوگ مسلمانوں کے درمیان کوئی حیثیت نہ رکھتے تھے لھذا یہ جانتے تھے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد حکومت کو ھاتھ میں نہیں لیا جاسکتا ایسے میں ضرورت تھی کی وہ

حکومت کو حاصل کرنے کے لئے ایک طویل پلان ترتیب دیں اور تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ یہ کام انھوں نے کیا یہ بات صرف ایک دعویٰ نہیں بلکہ بھت سے شواھد اس بات پر دلالت کرتے ہیں جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

دینوری [105] اور جوھری [106] کا کھنا ہے کہ جب بعض افراد نے سقیفہ میں ابوبکر کی بیعت کی تو بنی امیہ عثمان بن عفّان کے گرد جمع ہوکر ان کی خلافت پر اتفاق نظر رکھتے تھے [107]، یہ چیز خود اس بات کی شاھد ہے کہ بنی امیہ حکومت حاصل کرنا چاھتے تھے اور اس منصب کے لئے عثمان کو پیش کیا جو بنی امیہ کے درمیان تقریباً ایک معتدل شخص تھے اور دوسرے افراد کی طرح سابقہ بد کرداری سے برخوردار نہ تھے۔ اس لئے کہ انھیں کو اس وقت اس امر کے لئے بھترین فرد سمجھتے تھے، اگرچہ ہماری نظر میں یہ اجتماع اس وقت کسی خاص حقیقت پر مبنی نہ تھا بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ فقط ایک سیاسی کھیل تھا تاکہ آئندہ کے لئے میدان کو ہموار کیا جائے جس کا شاھد یہ ہے کہ جب عمر نے دیکھا کہ بنی امیہ عثمان کے گرد جمع ہوگئے ہیں تو کہا کہ آخر تم لوگوں نے ایسا کیوں کیا؟ آوٴ اور ابوبکر کی بیعت کرو تو اس مجمع میں سب سے پھلے عثمان اور پھر تمام بنی امیہ نے ابوبکر کی بیعت کی [108]۔

جوھری سے روایت ہے کہ جب عثمان کی بیعت ہوئی تو ابوسفیان نے کہا کہ پھلے حکومت قبیلہ تیم کے پاس چلی گئی جب کہ ان کا حکومت سے کیا تعلق؟ اور پھر قبیلہ عدی میں جاکر اپنے مرکز و محور سے دور ہوگئی اور اب یہ اپنی صحیح جگہ واپس آئی ہے لھٰذا اسے مضبوطی سے تھامے رکھو، [109] یہ روایت اس قدر گویا ہے کہ جس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے، البتہ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایسا تھا تو آخر ابوسفیان نے شروع ہی میں ابوبکر کی بیعت کیوں نہ کی؟ اور حضرت علی علیہ السلام کے پاس جاکر کہا کہ اگر آپ چاھیں تو ابوبکر کے خلاف مدینہ کو لشکروں سے بھر دوں [110]۔

اس سوال کا جواب بعض افراد نے اسے قبیلہ پرستی کے تعصب کہہ کردیا ہے اور کہا ہے کہ ابوسفیان نے قبیلہ پرستی کے تعصب کی بنا پر یہ کام کیا تھا، [111] جیساکہ پھلی نظر میں اس قسم کا ہی پیدا ہوتا ہے لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس امر کی علت کوئی دوسری چیز تھی اور وہ یہ کہ ابوسفیان بنی امیہ کے نھایت چالاک اور ہوشیار لوگوں میں سے ایک تھا لھٰذا یہ بات یقین سے کھی جاسکتی ہے کہ وہ اس کے پیچھے کوئی خاص اور بلند مقاصد رکھتا تھا۔

ممکن ہے کہ اس کام سے اس کا مقصد ایک ساتھ کئی چیزیں حاصل کرنا ہو، ایک یہ کہ ابوبکر کی بیعت کی مخالفت کرکے ان کی طرف سے کچھ امتیازات چاھتا تھا اور اگر وہ حضرت علی علیہ السلام کو ابوبکر کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوجاتا تو اس جنگ کے فاتح بنو امیہ اور ابوسفیان ہوتے اس لئے کہ اس کا مقصد ان دونوں گروھوں کو لڑا کر کمزور کرنا اور بنی امیہ کی پوزیشن کو مستحکم کرنا تھا یا کم از کم وہ ابوبکر کو مجبور کررہا تھا کہ وہ ان کی بیعت اس صورت میں کرے گا جب کہ وہ اس کے لئے کسی امتیاز کے قائل ہوں اور در حقیقت وہ اس امر میں کامیاب بھی ہوا اور اس طرح اس نے کافی مالی فائدہ بھی اٹھایا جیسا روایت کے بقول ابوسفیان جب زکات وصول کر واپس پلٹا تو ابوبکر نے عمر کے کھنے سے جتنی جمع شدہ زکوٰة تھی سب کی سب ابوسفیان کی فتنہ گری کو

روکنے کے لئے اسے بخش دی اور اس طرح وہ بھی اس پر راضی ہوگیا (112) اس کے علاوہ اس چیز میں بھی اسے کامیابی حاصل ہوئی کہ حکومت میں کوئی عھدہ اپنے بیٹے معاویہ کے لئے مخصوص کرسکے(113)، اس وضاحت کے بعد اس چیز کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے ابوسفیان کی پیش کش کو ٹھکرا کر اسے اپنے سے کیوں دور کیا اور فرمایا: خدا کی قسم تو اس بات سے فقط فتنہ پروری چاھتا ہے تو ہمیشہ اسلام کا دشمن رہا ہے مجھے تیری ہمدردی اور خیر خواھی کی ضرورت نہیں ہے! (114) حضرت علی علیہ السلام کے خطبات سے اس بات کو بآسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ ابوسفیان کا اصل مقصد شر اور فساد پھیلانا تھا اور قبیلہ پرستی تعصب جیسا کوئی مسئلہ نہ تھا۔

اس واقعہ سے متعلق اکثر روایات سے یہ چیز سمجھ میں آتی ہے کہ بنی امیہ میں فقط ابوسفیان، ابوبکر کی بیعت کا مخالف تھا جیسا کہ جب وہ مسجد میں بنی امیہ کے اجتماع کے درمیان گیا اور انھیں ابوبکر کے خلاف قیام کی دعوت دی تو کسی نے بھی اس کا مثبت جواب نہ دیا، (115) اس سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ یہ مخالفت اور قیام کی دعوت محض ایک دکھاوا تھا اس لئے کہ بنی امیہ کے درمیان ابوسفیان کی حیثیت اور لیڈری غیر قابل انکار چیز ہے اور یہ ھرگز ممکن نہ تھا کہ بنی امیہ ابوسفیان کے قول پر کان نہ دھریں اور اسے منفی جواب دیدیں۔ اس چیز کو حضرت علی علیہ السلام کے ابوسفیان کی لشکر جمع کرنے والی گفتگو سے سمجھا جاسکتا ہے اس لئے کہ اس نے اس گفتگو میں بڑے اعتماد کے ساتھ مدینہ کو لشکروں سے بھر دینے کو کہا تھا (116) اور حضرت علی علیہ السلام کے اس جواب سے بھی یہ چیز سمجھی جاسکتی ہے کہ ابوسفیان اس پیش کش میں کس حد تک سنجیدہ تھا۔

بنی امیہ اس چیز کو جانتے تھے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے فوراً بعد ان کے لئے میدان اس قدر ہموار نہیں ہوگا کہ وہ حکومت اپنے ھاتھ میں لے لیں، لھذا اس فتنہ پروری سے ان کا مقصد اپنے لئے میدان ہموار کرنا اور حکومت کے حصول کے سلسلے میں پھلا قدم اٹھانا تھا وہ در حقیقت ابوبکر کی خلافت کو قریش سے بنی امیہ کی طرف خلافت کے منتقل ہونے کے لئے ایک اہم پل سمجھتے تھے اسی لئے اس سے موافق تھے اور اس کی مدد تک کرتے تھے اگرچہ تاریخی تحریفات کی وجہ سے ان کے تعاون کی فھرست بیان کرنا ایک مشکل کام ہے لیکن بعض قرائن اس چیز کی نشاندھی کرتے ہیں اور جیسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے دن عمر، یقین کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کا انکار کر رہے تھے اور جیسے ہی ابوبکر پھونچے تو عمر نے ابوبکر کی زبان سے قرآن کی آیت سن کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کا یقین کرلیا (117) یہ بات واضح تھی کہ اس کام سے عمر کا مقصد فقط ابوبکر کے پھنچنے تک حالات کو قابو میں رکھنا تھا اور قابل غور بات تو یہ ہے کہ فقط عمر ہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے منکر نہ تھے بلکہ عثمان بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال نہ ہونے کے دعویدار تھے اور کہہ رہے تھے کہ وہ مرے نہیں ہیں بلکہ عیسیٰ کی طرح آسمان پر چلے گئے ہیں (118) یہ تمام چیزیں ان کی آپسی ساز باز اور اتفاق رائے کی نشاندھی کرتی ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات کے بعد حکومت کو اپنے ھاتھوں میں لینے کی کوششیں اس زمانے کے آگاہ افراد سے ھر گز پوشیدہ نہ تھیں جیسا کہ انصار اس بات کو بخوبی جانتے تھے اسی لئے حباب بن منذر نے سقیفہ میں ابوبکر سے خطاب کرتے ہوئے اس بات کا اظھار کیا تھا کہ ہمیں آپ لوگوں سے کوئی ڈر نہیں ہے لیکن ڈر اس بات کا ہے کہ کھیں ایسا نہ ہو کہ آپ لوگوں کے بعد وہ لوگ برسر اقتدار آجائیں کہ جن کے باپ دادا اور بھائیوں کو ہم نے اپنے ھاتھوں سے قتل کیا ہے [119] اور یقیناً وہ لائق تحسین ہے کہ اس نے اچھی طرح حالات کا رخ دیکھ کر صحیح پیشن گوئی کی تھی، البتہ بنی امیہ کے علاوہ بنی زھرہ بھی حکومت حاصل کرنا چاھتے تھے اور وہ لوگ سعد اور عبد الرحمٰن بن عوف پر اتفاق کئے ہوئے تھے [120]۔ اسی طرح کہ ایک روایت کے مطابق مغیرہ بن شعبہ وہ شخص تھا جس نے ابوبکر اور عمر کو سقیفہ میں جانے کے لئے ابھارا تھا [121]۔

سوم: حکومت حاصل کرنے کے لئے بعض مھاجرین کی کوششیں۔

ابوبکر، عمر اور ابوعبیدہ وہ نمایاں افراد تھے جو پیغمبر ﷺ کی وفات کے بعد حکومت کے حصول اور حضرت علی علیہ السلام کو مسند خلافت سے ھٹا کر حالات پر قابو پانے میں سب سے زیادہ کوشاں دکھائی دیتے تھے جس کے بھت سے شواھد موجود ہیں مگر ہم یہاں فقط چند مثالوں پر ہی اکتفا کر رہے ہیں۔

1۔ سقیفہ کے خطبہ میں عمر کا کھنا تھا کہ "واجتمع المهاجرون الى ابى بكر" یعنی مھاجرین ابوبکر کی خلافت پر متفق تھے، اس کے بعد ان کا کھنا تھا کہ میں نے ابوبکر سے کہا کہ آؤ انصار کے پاس چلتے ہیں جو سقیفہ میں جمع ہیں ان عبارات پر غور کرنے سے حکومت حاصل کرنے کی ان لوگوں کی کوششوں کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے اس لئے کہ اگر مھاجرین کا ابوبکر پر اتفاق اور ان کے لئے ان کی رضایت کو محض ایک دعویٰ نہ سمجھا جائے تو سب کی موافقت اور رضایت حاصل کرنے کے لئے کافی مذاکرات اور مسلسل رابطوں کی ضرورت ہے لھٰذا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے فوراً بعد سب کے سب ابوبکر پر اتفاق رائے کرلیں اس لئے کہ سقیفہ سے پھلے ظاھراً کوئی جلسہ تشکیل نہیں پایا تھا کہ جس سے تمام مھاجرین کے نظریات کا پتہ چل جاتا کہ وہ کیا چاھتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے پھلے ہی ایک ایک مھاجر سے ملتے اور اسے اپنی طرف کرلیتے تھے۔

2۔ تاریخ اور احادیث کی اکثر کتابوں میں یہ بات موجود ہے کہ مھاجرین میں سے یہ لوگ پیغمبر ﷺ کی طرف سے اس بات پر مامور تھے کہ اسامہ بن زید کی سرداری میں مدینہ سے باھر چلے جائیں ان روایات میں سے بعض نے تو ابوبکر، عمر اور ابوعبیدہ تک کے نام بھی لئے ہیں، جیسے وہ روایت کہ جو "صاحب الطبقات الکبریٰ" نے ذکر کی ہے جس میں کہا گیا ہے۔ "فلم يبق احد من وجوه المهاجرين الاوّلين والانصار الّا انتدب فى تلک الغزوة و فيهم ابوبكر الصديق و عمر بن الخطاب و ابوعبيدة الجراح

وسعد بن ابی وقاص و "[122]۔ یعنی مہاجرین اور انصار کے بزرگوں میں سے ایک بھی باقی نہ بچا کہ جسے اس غزوہ میں جانے کو نہ کہا گیا ہو اور ان بزرگوں میں ابوبکر صدیق، عمر بن خطاب، ابوعبیدہ اور سعد بن ابی وقاص وغیرہ بھی شامل تھے۔

لیکن یہ لوگ بھانوں کے ذریعے اس لشکر کے ساتھ جانے میں ٹال مٹول کرتے رہے اور اس طرح پیغمبر ﷺ کی نافرمانی کر رہے تھے[123]، اگر پیغمبر اسلام ﷺ کی اسامہ کے لشکر کے ساتھ جانے پر مسلسل تاکید اور ان لوگوں کی نافرمانی پر غور کیا جائے تو اس سے ان افراد کی نیتوں اور ان کی سازشوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

3۔ پیغمبر اسلام ﷺ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں بیماری کی شدت کی وجہ سے بار بار بے ہوش ہو رہے تھے ایسے میں نماز کا وقت آپھونچا، بلال نے اذان کہی لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیونکہ مسجد تک جانے کی طاقت نہیں رکھتے تھے لھٰذا لوگوں سے کہا کہ نماز پڑھ لیں[124] اور کسی بھی شخص کو امامت کے لئے معین نہ کیا اسلئے کہ شاید اب یہ لوگوں کی ذمہ داری تھی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتنی تاکیدات اور فرامین کے بعد دیکھیں کہ ہمیں کس کے پیچھے نماز پڑھنی ہے، جیسا کہ بلال سے نقل شدہ روایت بھی اسی چیز کی طرف اشارہ کرتی ہے، بلال کھتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مریض تھے اور جب آپ کو نماز کے لئے بلایا گیا تو آپ نے فرمایا: یا بلال لقد ابلغتُ فمن شاء فلیصلّ بالناس ومن شاء فلیدع"[125] اے بلال میں نے اپنے پیغام کو لوگوں تک پھونچا دیا اب جو چاھے لوگوں کو نماز پڑھائے اور جو چاھے نماز نہ پڑھائے۔

یہ بات بھت ہی واضح تھی کہ ایسے میں امامت کے فرائض کون انجام دیے؟ لازمی سی بات ہے کہ حضرت علیہ السلام ! اس لئے کہ حضرت علی علیہ السلام پیغمبر اسلام ﷺ کے جانشین اور خلیفہ تھے اس کے علاوہ یہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امر کے مطابق تو دوسرے تمام بزرگ انصار اور مہاجرین اس بات پر مامور تھے کہ وہ اسامہ بن زید کی سرداری میں مدینہ سے باھر چلے جائیں، لیکن تعجب کی بات ہے کہ اہل سنت کی اکثر کتابوں میں یہ بات ملتی ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے خود ابوبکر کو حکم دیا تھا کہ وہ آپ کی جگہ نماز پڑھائیں[126]، یہ روایات خود ایک دوسرے سے تناقض رکھتی ہیں اس لئے کہ ان روایات میں ابوبکر نے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ نمازیں پڑھائی ان کی تعداد اور ان کی کیفیت میں اختلاف پایا جاتا ہے جیسا کہ بعض نے یہ کہا ہے کہ پیغمبر ﷺ نے ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھی[127] جب کہ بعض کا کھنا ہے کہ ابوبکر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کو دیکھ کر نماز پڑھ رہے تھے اور باقی تمام افراد ابوبکر کی اقتداء کر رہے تھے[128]، اس کے علاوہ بھی مختلف قسم کی روایات کتاب الطبقات الکبریٰ کے اندر موجود ہیں[129] کہ جن کا ایک دوسرے کے مخالف ہونا خود اس بات کے غلط ہونے کو ثابت کرتا ہے کہ پیغمبر ﷺ نے ابوبکر کو نماز پڑھانے کے لئے کہا تھا۔

البتہ یہ بھی یہ ممکن ہے کہ پیغمبر ﷺ کی بعض ازواج نے خود اپنی طرف سے اس کام کو انجام دیا ہو اور اس کی نسبت پیغمبر ﷺ کی طرف دیدی ہو اس بات کی تائید اس سے ہو سکتی ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے ایک دن اپنی بیماری کے ایام میں فرمایا کہ

حضرت علی علیہ السلام کو بلایا جائے لیکن جناب عائشہ نے ابوبکر کو بلا لیا اور حفصہ نے عمر کو اور جب وہ دونوں پیغمبر کے پاس آئے تو پیغمبر ﷺ نے ان سے منہ پھیر لیا [130]۔ یہ روایت اگرچہ نماز کے بارے میں نہیں ہے لیکن اس کے ذریعہ بعض ازواج کی نافرمانی کو سمجھا جاسکتا ہے تو جب ایسے موقع پر کہ جہاں پر پیغمبر ﷺ کا قول بالکل صریح ہو اور وہ اس کی نافرمانی کرسکتی ہیں تو یہاں پر بھی اپنی مرضی سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کسی قول کی نسبت دے سکتی ہیں؟؟؟ اس کے علاوہ بہت سی دلیلیں ہیں جو اس بات کی نشاندھی کرتی ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے ابوبکر اور عمر کو اس قسم کا کوئی حکم نہیں دیا تھا اس لئے کہ:

پہلے یہ کہ ابوبکر اس بات پر مامور تھے کہ وہ لشکر اسامہ کے ساتھ مدینہ سے باہر چلے جائیں اور اگر وہ اس امر کی اطاعت کرتے تو ایسی صورت میں انھیں اس وقت مدینہ سے باہر ہونا چاہیے تھا اور کوئی ایک روایت بھی نہیں ملتی کہ پیغمبر ﷺ نے ابوبکر کو لشکر میں جانے سے مستثنیٰ کیا ہو بلکہ روایات کے بالکل واضح الفاظ ہیں کہ ابوبکر اور عمر کو لشکر اسامہ کے ساتھ جانے کو کہا تھا [131] پھر کس طرح ممکن ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو اسامہ کے لشکر کے ساتھ بھیجنے پر مصر بھی ہوں اور یہ حکم بھی دیں کہ تم نماز پڑھاؤ؟!

دوسرے یہ کہ اہل سنت کی بعض روایات اس چیز کو بیان کرتی ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کا اصرار کر رہے تھے کہ ابوبکر نماز پڑھائیں لیکن جناب عائشہ کہہ رہی تھیں کہ ابوبکر کمزور دل کے مالک ہیں لیکن پیغمبر کے اصرار کی وجہ سے وہ چلے گئے اور نماز پڑھائی اور پیغمبر ﷺ اسی بیماری کی حالت میں کہ جس میں آپ چل کر مسجد تک نہیں آسکتے تھے دو آدمیوں کا سہارا لیکر مسجد تشریف لائے (غالباً وہ دو آدمی حضرت علی علیہ السلام اور فضل بن عباس تھے) ابوبکر پیغمبر ﷺ کو دیکھ کر ایک طرف ہوگئے اور پیغمبر ﷺ ابوبکر کے پاس بیٹھیں گئے اور اس طرح ابوبکر پیغمبر ﷺ کی نماز کو دیکھ کر نماز ادا کرتے تھے اور باقی افراد ابوبکر کی نماز کو دیکھ کر نماز ادا کر رہے تھے [132]

اب ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر پیغمبر ﷺ نے خود ابوبکر کو نماز کی امامت کے لئے کہا تھا اور ابوبکر پیغمبر ﷺ کے حکم سے نماز پڑھا رہے تھے تو کیا وجہ تھی کہ پیغمبر ﷺ اس شدید بیماری کی حالت میں کہ جناب عائشہ کے بقول آپ ﷺ کے دونوں پاؤں زمین پر خط دے رہے تھے اور آپ ﷺ کھڑے ہونے تک کی طاقت نہ رکھتے تھے اور پھر مسجد میں تشریف لائیں اور نماز کو بیٹھ کر خود پڑھائیں؟ کیا ایسا نہ تھا کہ پیغمبر ﷺ شروع ہی سے ابوبکر کی امامت پر راضی نہ تھے اور آپ ﷺ نے یہ مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہوسکے انھیں نماز پڑھانے سے روکا جائے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ ابوبکر نماز تمام کرلیتے، اگر ابوبکر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستور اور اصرار کے مطابق نماز پڑھا رہے تھے تو یہ ناممکن تھا کہ پیغمبر ﷺ اس شدید بیماری کی حالت میں مسجد آئیں اور بیٹھ کر ہی سہی مگر نماز خود پڑھائیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ پیغمبر ﷺ کی جگہ نماز پڑھانے میں پیش قدمی کرنا ایک ایسا مسئلہ تھا کہ جس سے وہ اپنی جانشینی اور خلافت کو ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ لوگ یہ خیال کریں کہ کیونکہ پیغمبر ﷺ نے انھیں اس امر کا حکم دیا ہے لھٰذا آپ ﷺ کے بعد یھی خلیفہ ہونگے بالفرض اگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قسم کا کوئی امر کرتے بھی تو یہ امر ان کی جانشینی پر یقیناً دلیل نہیں بنتا اس لئے کہ دوسرے افراد پیغمبر ﷺ کی صحت و سلامتی کے موقع پر آپ ﷺ کی جگہ نماز پڑھا چکے تھے [133] تو اگر یہ امر ان صاحب کی جانشینی اور خلافت کی دلیل بن سکتا ہے تو اس جانشینی اور وصایت کے وہ لوگ زیادہ حقدار ہیں جنھوں نے آپ کی صحت و سلامتی کے موقع پر نماز پڑھائی۔

4۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے گھر کے حالات کو زیر نظر رکھنے کی غرض سے آپ ﷺ کے گھر کی اندرونی خبریں حاصل کرنا بھی حکومت حاصل کرنے کے سلسلے میں اس گروہ کی سازشوں کا ایک حصہ ہے اور یہ کام جناب عائشہ بنت ابوبکر اور جناب حفصہ بنت عمر کے ذریعہ انجام پاتا تھا، اہل سنت کی بعض روایات کے مطابق پیغمبر ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنی بعض ازواج سے فرمایا تھا کہ "تمھاری مثال ان خواتین کی سی ہے جو یوسف کی مصیبت و ابتلاء کا باعث بنیں" ۔ [134]

طبری نے ایک مقام پر نقل کیا ہے کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ حضرت علی علیہ السلام کے پاس کسی کو بھیج کر انھیں بلاؤ ایسے میں جناب عائشہ نے کہا: ابوبکر کو بلا لاؤ اور حفصہ نے کہا کہ عمر کو، جب ابوبکر اور عمر پیغمبر ﷺ کے پاس آئے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے تو پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ یہاں سے چلے جاؤ اس لئے کہ اگر تمھاری ضرورت ہوتی تو تمھیں بلایا ہوتا یہ سن کر وہ دونوں چلے گئے [135]

یہ روایت ہماری اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ یہ حضرات محض یہ دکھانے کے لئے کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ترین افراد میں سے ہیں جلد بازی کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے پاس پھونچے کہ شاید جو بات وہ حضرت علی علیہ السلام سے کھنا چاھتے ہیں وہ ہمیں بتادیں اگرچہ بعض روایات میں حضرت علی علیہ السلام کا نام ذکر نہیں بلکہ اس قسم کی عبارت موجود ہے، میرے حبیب یا میرے دوست کو بلاؤ [136] لیکن تمام روایات اس بات پر متفق ہیں کہ پیغمبر ﷺ نے ان افراد کو واپس کردیا حتیٰ کہ آپ نے ان سے منہ تک پھیر لیا اگر پیغمبر ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کا نام لیا تھا اور کوئی دوسرا لفظ استعمال کیا بھی تھا تب بھی یہ بات تو واضح ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو نہیں بلایا تھا، بھر حال ہر کام میں خود بخود پھل کرنا حتیٰ کہ پیغمبر ﷺ کے گھر پھونچنے میں بھی پھل کرنا اس چیز کی نشاندھی کرتا ہے کہ وہ پیغمبر ﷺ کے گھر میں بھی حضرت علی علیہ السلام کو راستے سے ھٹا کر حکومت اور ولایت کے حصول کے لئے کوشاں تھے۔

5۔ عمر اور ان کے ہم فکر افراد کا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نوشتہ لکھنے سے روکنا بھی خود حضرت علی علیہ السلام کو راستے سے ھٹا کر حکومت حاصل کرنے کی کوششوں کا ایک حصہ ہے اور اس بات میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ عمر نے اس

بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے سلسلے میں کچھ لکھنا چاھتے ہیں لھذا انھوں نے بھرپور کوشش کی کہ یہ نوشتہ نہ لکھا جائے چاھے اس سلسلے میں پیغمبر ﷺ پر ھذیان ہی کی تہمت لگانی پڑے۔ !!

پیغمبر اسلام ﷺ کے نوشتہ لکھنے کے سلسلے میں تاریخ اور احادیث کی کتابوں میں بے انتھا روایات موجود ہیں جو سب کی سب اس نکتہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف ھذیان کی تہمت لگائی گئی اب ان روایات میں سے بعض نے صریحی طور پر عمر کا نام لیا ہے [137] اور بعض نے کسی خاص شخص کا نام ذکر نہیں کیا ہے۔ [138]

مجموعی طور پر ان تمام روایات میں عمر کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا نام نہیں آیا ہے جو اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ ھذیان کی تہمت لگانے والے شخص عمر ہی تھے لیکن کیوں کہ اہل سنت کے بعض راوی عمر کا نام لینا نہیں چاھتے تھے اس لئے کوئی نام ذکر نہیں کیا۔

بعض علماء اہل سنت نے عمر کی طرف سے رسول خدا ﷺ پر ھذیان کی تہمت لگائے جانے کی قباحت کو کم کرنے کے لئے اس کی مختلف تاویلیں بھی کی ہیں، مثال کے طور پر یہ کہ عمر کا مطلب یہ تھا آپ ﷺ پر بیماری کا غلبہ ہوگیا ہے [139] لیکن لغت کے اعتبار سے یہ تاویل کسی خاص اہمیت کی حامل نہیں ہے جیسا کہ صاحب السان العرب نے ابن اثیر کا قول نقل کیا ہے کہ عمر کا یہ جملہ سوالیہ صورت میں ہونا چاھیے أَهَجَرَ تاکہ اس کو اس معنی میں لیا جائے "تغير كلامه واختلط لأجل مابه المرض" ان کے کلام میں تبدیلی آگئی ہے اور وہ بیماری کی شدت کی وجہ سے کچھ کا کچھ کہہ رہے ہیں لیکن اگر یہ جملہ سوالیہ نہ ہو بلکہ خبریہ ہو (جیسا کہ اکثر روایات میں ہے) تو یا تو یہ گالی ہے یا پھر ھذیان کے معنی میں ہے پھر وہ کھتے ہیں کہ کیوں کہ یہ بات کھنے والے شخص عمر ہیں لھذا ان سے اس قسم کی امید نہیں ہے۔ اگر بالفرض اس تاویل کو قبول کر بھی لیا جائے کہ ھذیان کے معنی یہ تھے کہ پیغمبر ﷺ بیماری کی شدت کی وجہ سے نہ جانے کیا کیا کہہ رہے رہیں گویا اس حالت میں پیغمبر ﷺ کے کلام کا کوئی اعتبار نہیں ہے تو کیا پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف اس قسم کے کلام کی نسبت دینا پھلے کلام کے مقابلے میں کچھ کم قباحت رکھتا ہے؟ جس کے بارے میں قرآن فرما رہا ہو، (وما ينطق عن الهويٰ ان هو الاّ وحى يوحى) [140] کہ وہ وحی کے بغیر بات نہیں کرتے، بھر حال عمر کے کلام کا مطلب کچھ بھی ہو سب سے اہم بات یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ عمر کے اس جملے کو سننے کے بعد سخت ناراض ہوئے جیسا کہ اہل سنت کی بعض روایات میں یہ ملتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ جملہ سننے کے بعد غم و اندوہ میں ڈوب گئے تھے [141] اور بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ پیغمبر ﷺ یہ جملے سننے کے بعد اس قدر غصہ ہوئے کہ انھیں اپنے پاس سے اٹھا دیا [142]، اس کے بعد جو دوسرے افراد آپ کے پاس موجود تھے کھنے لگے کہ کیا قلم و دوات لائیں؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا اب سب کچھ کھنے کے بعد، نہیں اب اس کی ضرورت نہیں لیکن ھاں تم لوگوں کو اپنے اہل بیت علیھم السلام کے ساتھ خیر و خوبی کے ساتھ پیش آنے کی وصیت کرتا ہوں [143] یہاں واضح ہے کہ آخر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر کے کھنے کے بعد کیوں نہ چاھا کہ کچھ

لکھیں اس لئے کہ اگر پیغمبر ﷺ لکھ بھی دیتے تو جو شخص پیغمبر ﷺ کی موجودگی میں گستاخی اور مخالفت کرسکتا ہے تو یقیناً وہ پیغمبر ﷺ کے چلے جانے کے بعد اس میں اضافہ کرتا اور مزید الٹی سیدھی نسبتیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیتا اور عملی طور پر یہ تحریر معتبر نہ سمجھی جاتی۔

بعض متعصب علمائے اہل سنت نے یہ مضحکہ خیز دعویٰ کیا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ ابوبکر کی خلافت کے بارے میں کچھ لکھنا چاھتے تھے! [144] جب کہ نوشتہ سے متعلق جتنی بھی روایات نقل ہوئی ہیں ان میں سے کسی ایک نے بھی ھلکا سا اشارہ بھی اس بات کی طرف نہیں کیا بلکہ روایات کے متن اور دوسرے تمام شواھد اس کے برعکس ہیں کہ جن کا بیان کرنا یہاں اس بحث میں ممکن نہیں ہے البتہ ہم یہاں ایک چیز کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور وہ یہ کہ عمر جو ابوبکر پر ہمیشہ جان دینے کو تیار دکھائی دیتے تھے اور در حقیقت یہ عمر ہی کی کوششیں تھیں جن کی وجہ سے ابوبکر منصب خلافت پر فائز ہوگئے اور یہ بات ہر خاص و عام جانتا ہے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ ابوبکر کی خلافت کے لئے لکھے جانے والے نوشتہ کو روکیں اور پھر چند ہی گھنٹوں بعد ان کی خلافت کے لئے تلوار نکال لیں اور جناب فاطمہ علیہا السلام کے گھر تک کو آگ لگانے پر تیار ہوجائیں کیا کوئی عاقل انسان اس قسم کے مضحکہ خیز دعوے کو قبول کرسکتا ہے!؟

6۔ ایک اور چیز جو اس گروہ کی سازشوں کی روشن دلیل ہے وہ عمر کا پیغمبر ﷺ کی وفات سے انکار کرنا ہے یہ واقعہ بھی بھت سی تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں موجود ہے [145]، عمر کے اس کام کی علت یہ تھی کہ ابوبکر کے پھونچنے تک ماحول کو پر سکون اور قابو میں رکھا جائے اور ابوبکر کے پھونچتے ہی عمر نے یہ اعلان کردیا کہ پیغمبر ﷺ کی وفات ہوگئی ہے، یہ واقعہ ان کے آپس میں پھلے سے طے شدہ پروگرام کا پتہ دیتا ہے۔

7۔ سقیفہ میں انصار کے اجتماع کی خبر بھت ہی پوشیدہ طور پر صرف عمر اور ابوبکر کو دی گئی [146] اور جب ابوبکر اور عمر جلدی جلدی سقیفہ کی طرف جارہے تھے تو وہ افراد جو پیغمبر ﷺ کے گھر میں موجود تھے اس ماجرے سے بے خبر تھے اور ابوبکر اور عمر نے اس بات کو تمام مسلمانوں یا کم از کم قوم کے بزرگ افراد کے سامنے پیش نہ کیا کہ اگر کوئی شرارت کرنا چاھتا ہے تو سب کی رائے سے اس کے بارے میں چارہ جوئی کی جائے، کیا یہ چیز ان کے حکومت کو حاصل کرنے کے سلسلے میں پھلے سے تیار شدہ سازشوں کی نشاندھی نہیں کرتی؟

سازشوں کے خلاف پیغمبر اسلام ﷺ کے اقدامات

ہیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی الٰھی کے مطابق غدیر خم میں حضرت علی علیہ السلام کو اپنی جانشینی پر منصوب کرنے کے باوجود مناسب موقوں پر اس کی یاد آوری کراتے رہے، لیکن بعض لوگوں کی طرف سے حکومت حاصل کرنے کی مسلسل

کوششوں کو دیکھتے ہوئے پیغمبر اسلام ﷺ اس بات پر مجبور ہوگئے کہ حضرت علی علیہ السلام کی جانشینی اور خلافت کو مضبوط کرنے کے لئے کچھ اور اقدامات بھی کریں ان میں سے ایک روم کے لشکر سے نبرد آزما ہونے کے لئے لشکر کی تیاری بھی تھی، اس لشکر کی تیاری پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آخری لمحات میں ہوئی اور اسامہ بن زید کو اس لشکر کا سردار بنایا گیا اور تمام انصار و مہاجرین کے بزرگ حضرات خصوصاً ابوبکر، عمر، ابوعبیدہ سے تاکیداً کہا گیا کہ وہ اسامہ کی سرداری میں مدینہ سے باھر چلے جائیں اور جس مقام پر اسامہ کے والد شھید ہوئے تھے وھاں کے لئے روانہ ہوجائیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کام کو چند مقاصد کی خاطر انجام دینا چاھتے تھے، ان میں سے ایک مقصد بقول شیخ مفید یہ تھا کہ مدینہ میں کوئی فرد بھی ایسا باقی نہ رہے جو حضرت علی علیہ السلام کی خلافت و حکومت پر ان سے نزاع کرے [147] اور اس سے بھی اہم بات یہ تھی کہ اسامہ جو ابھی سترہ سالہ جوان [148] تھے لشکر کا سردار بنایا گیا جب کہ وہ تمام بزرگ حضرات اور تجربہ کار لوگ موجود تھے جو اس سے پھلے جنگ احد، جنگ بدر اور خندق میں حصہ لے چکے تھے لیکن اسامہ کو لشکر کا سردار بنا کر پیغمبر ﷺ نے سب پر یہ واضح کردیا کہ کھیں ایسا نہ ہو کہ تم کل کے دن حضرت علی علیہ السلام کے جوان ہونے کا بھانہ بنا کر ان کی اطاعت سے سرپیچی کر بیٹھو۔

جب بعض افراد نے اسامہ کے انتخاب پر اعتراض کیا تو جیسے ہی اس اعتراض کی اطلاع پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی گئی تو آپ غصہ ہوئے اور فوراً منبر پر تشریف لائے اور اسامہ کے باصلاحیت اور اس امر کے لئے ان کی لیاقت کے بارے میں تقریر کی [149]، لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد عمر نے ابوبکر سے کہا کہ اسامہ کو لشکر کی سرداری سے ھٹا دیا جائے مگر ابوبکر نے عمر کی داڑھی پکڑ کر کہا کہ آپ کی ماں آپ کے غم میں بیٹھے، پیغمبر ﷺ نے اسے اس امر کے لئے منصوب کیا تھا اب تم چاھتے ہو کہ میں اسے ھٹادوں [150]۔

جو لوگ ھرگز یہ نہیں چاھتے تھے کہ حکومت ان کے ھاتھوں سے چلی جائے وہ اسامہ کے لشکر کے ساتھ جانے سے منع کر رہے تھے اور مختلف بھانوں سے اس میں تاخیر کرا رہے تھے جب اسامہ نے ان افراد کے ان بھانوں کو دیکھا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ جب تک آپ کی طبیعت بالکل صحیح نہیں ہوجاتی لشکر مدینہ سے باھر نہ جائے اور جب آپ صحت یاب ہوجائیں تو پھر لشکر کوچ کر جائے گا لیکن پیغمبر ﷺ نے اسامہ سے کہا کہ حرکت کرو اور مدینہ سے باھر چلے جاؤ۔ اسامہ بار بار پیغمبر ﷺ کو ان کی بیماری کا حوالہ دے رہے تھے مگر پیغمبر ﷺ ہر بار انھیں جانے کے لئے کہہ رہے تھے، یہاں تک کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسامہ سے کہا کہ جو کچھ تمھیں حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرو اور کوچ کر جاؤ اس کے بعد آپ ﷺ بے ہوش ہوگئے، پیغمبر ﷺ نے ہوش میں آنے کے بعد پھلا سوال اسامہ کے لشکر کے بارے میں کیا اور اس بات کی تاکید

کی کہ اسامہ کے لشکر کو بھیجو اور جو شخص بھی ان کے ساتھ جانے سے منع کرے خدا اس پر لعنت کرے اور اس جملے کو کئی بار دھرایا [151]۔

آخر کار اسامہ کے لشکر نے کوچ کیا اور "جرف" نامی جگہ پر جا کر ٹھہر گیا [152]، یہ لوگ مسلسل مدینے آتے جاتے رہے یہاں تک کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شدید بیماری کی وجہ سے مسجد نہ جا سکے تو ابوبکر فوراً پیغمبر ﷺ کی جگہ پر گئے اور نماز شروع کردی۔

پیغمبر ﷺ اس سازش کو ناکام بنانے کے لئے اسی حالت میں حضرت علی علیہ السلام اور فضل بن عباس کا سہارا لیکر مسجد آئے اور ابوبکر کو ھٹنے کے لئے کہا اور ان کی نماز کی کوئی پروا نہ کی اور خود پھر سے نماز پڑھائی [153] پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھانے کے بعد گھر تشریف لے گئے اور ابوبکر، عمر اور چند دوسرے افراد کہ جو مسجد میں حاضر تھے انھیں بلایا اور کہا کہ کیا میں نے تم لوگوں کو حکم نہیں دیا تھا کہ اسامہ کے لشکر کے ساتھ مدینہ سے باھر چلے جاؤ، کھنے لگے جی ھاں یا رسول اللہ تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تم لوگوں نے اس پر عمل کیوں نہ کیا؟ ہر ایک نے ایک بھانہ پیش کردیا، پھر پیغمبر ﷺ نے تین مرتبہ اس جملہ کی تکرار کی: کہ اسامہ کے لشکر کے ساتھ جاؤ [154]، اس سلسلے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوششوں میں سے ایک کوشش ابوسفیان کو زکوۃ کی جمع آوری کے سلسلے میں مدینہ سے باھر بھیجنا ہے جس کو مختلف روایات بیان کرتی ہیں [155] اور شاید ابوسفیان کو یہ ذمہ داری دینے کی وجہ بھی یھی تھی۔

مخالفین کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے پیغمبر ﷺ ایک کوشش نوشتہ لکھنا بھی تھا لیکن جیسا کہ پھلے عرض کیا جاچکا ہے کہ بعض افراد نے اسے عملی نہ ہونے دیا ممکنھے کہ یہ سوال پیدا ہو کہ آخر نوشتہ لکھنے کا کام پیغمبر ﷺ نے اپنی صحت و تندرستی کے زمانہ میں کیوں نہ انجام دیا تاکہ یہ شبہ ہی پیدا نہ ہوتا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ پھلی بات تو یہ کہ اس چھوٹے سے واقعہ نے بھت سے لوگوں کے چھروں کو بے نقاب کردیا کہ وہ کس حد تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یقین اور اعتماد رکھتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ پیغمبر ﷺ لشکر اسامہ کی ترتیب سے مسئلہ کو حل شدہ دیکھ رہے تھے لیکن بعض افراد کی مخالفت کی وجہ سے مسئلہ برعکس ہوگیا کیونکہ ابھی تک پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کی ایسی کھلی ہوئی مخالفت نہ ہوئی تھی جیسا کہ شیخ مفید نے ذکر کیا ہے کہ جب پیغمبر ﷺ نے ابوبکر، عمر اور بعض دوسرے افراد کی لشکر اسامہ میں جانے کی مخالفت کو دیکھا تو نوشتہ لکھنے کا ارادہ کیا [156] نتیجہ یہ کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کی خلافت اور جانشینی کو مضبوط کرنے کے لئے ہر ممکنہ قدم اٹھایا مگر اس بات کو بھی مد نظر رکھنا چاھیے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ھرگز اس بات کو نہیں چاھتے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام کو لوگوں پر مسلط کردیا جائے یا کوئی ایسا کام کریں جس سے یہ معلوم ہو کہ زبردستی لوگوں پر حضرت علی علیہ السلام کو مسلط کیا

جارہا ہے بلکہ آپ چاہتے تھے ابلاغ وحی کے سلسلے میں اپنے وظیفہ پر اچھی طرح عمل کریں اور لوگوں کو یہ بات سمجھا دیں کہ آپ ان کی فلاح و بھبود اصلاح اور ھدایت کے علاوہ کچھ نہیں چاھتے اور یقیناً آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا اب جو چاھے ھدایت کا راستہ اختیار کرے اور جو چاھے گمراھی کا۔ حضرت علی علیہ السلام خود بھی یہ نہیں چاھتے تھے کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے سیاسی گٹھ جوڑ کر کے اپنی حکومت کو مضبوط کیا جائے اس لئے کہ حضرت علی علیہ السلام حکومت کو انسانوں کی ھدایت کے لئے چاھتے تھے اور انسانوں کی ھدایت زور زبردستی اور سیاسی حربوں کے بعد ممکن نہیں خاص طور سے جب کہ سیاسی گٹھ جوڑ خود نقص غرض کا حصہ ہو۔

حضرت علی علیہ السلام ان تمام چیزوں سے بلند و بالا ہیں کہ وہ حکومت حاصل کرنے کے لئے اس کے پیچھے دوڑ لگائیں اور اسے لوگوں پر تحمیل کریں اس لئے کہ اگر لوگ ان کی حکومت کے طلبگار ہوتے تو خود ہی پیغمبر ﷺ کی وصیت پر عمل کرتے ورنہ ان کی بھاگ دوڑ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیتوں سے زیادہ مؤثر نہیں ہو سکتی تھی اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد عباس نے جو پیغمبر ﷺ کے چچا تھے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ اپنا ھاتھ آگے بڑھائیے تاکہ آپ کی بیعت کروں اور تمام بنی ھاشم آپ کی بیعت کریں، آپ نے فرمایا کہ کیا کوئی ایسا بھی ہے جو ہمارے حق کا انکار کرے؟ عباس نے فرمایا کہ آپ بھت جلد دیکھ لیں گے کہ لوگ ایسا ہی کریں گے [157]۔

ہمای نظر میں جو کچھ عباس دیکھ رہے تھے حضرت علی علیہ السلام اسے بخوبی جانتے تھے لیکن در اصل بات یہ تھی کہ اگر لوگ پیغمبر ﷺ کی وصیت پر عمل کرنا چاھتے تو پھر پوشیدہ طور پر کسی بیعت کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی یا آج کی اصطلاح حکومت کا تختہ پلٹنے کی ضرورت نہیں تھی، اگر لوگ حضرت علی علیہ السلام کی قدر و منزلت کو نہیں جانتے اور آپ کی حکومت نہیں چاھتے تو پھر اس کوشش اور محنت کی کوئی معنوی قدر و قیمت نہ ہوتی اور اس کا کوئی خاص فائدہ بھی نہ تھا، اس لئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو کچھ وصیت کرنا تھی وہ کر چکے تھے اب یہ ذمہ داری مسلمانوں کی تھی کہ وہ خدا اور اس کے رسول ﷺ پر اعتماد و یقین کر کے ان کی اطاعت کرتے اور یہ بات حضرت علی علیہ السلام کے ان جملوں سے بخوبی سمجھی جا سکتی ہے جو آپ نے عثمان کے قتل کے بعد جب لوگ آپ کے پاس بیعت کرنے کے لئے آئے تو آپ نے تقریر کے دوران ادا کئے۔ دور خلفاء میں حضرت علی علیہ السلام کا سکوت ھرگز اس بات پر دلیل نہیں کہ آپ ان کے پابند، ان کے ہم خیال اور انھیں اس کا حقدار سمجھتے تھے بلکہ بارہا اپنی مخالفت کو واضح طور پر بیان کرتے رہے اور اس امر میں ھرگز کوتاھی سے کام نہیں لیا اور اگر آپ کے موافقین کی تعداد زیادہ ہوتی تو یقینی بات ہے کہ آپ حکومت سے دستبردار نہ ہوتے مگر جو لوگ آپ کے ساتھ تھے ان کی تعداد اتنی کم تھی کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حالات اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ آپ مسلحانہ انداز میں قیام کریں اور

یھی وہ سیرت اور طریقہ کار ہے جس کا مشاہدہ اور دوسرے معصومین علیہم السلام کی زندگی میں بھی کیا جاسکتا ہے البتہ یہ ایک طویل بحث ہے کہ جس کا یہاں موقع نہیں ہے۔

انصار کی چارہ جوئی

گذشتہ بیان کی روشنی میں یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ انصار سقیفۂ بنی ساعدہ میں اس لئے جمع ہوئے تھے کہ رونما ہونے والے یہ تمام حوادث کسی سے پوشیدہ نہ تھے کہ کوئی ان سے بے خبر ہوتا، انصار اور مھاجرین کا ہر فرد یہ جانتا تھا کہ مدینہ میں جلد ہی تبدیلیاں آنے والی ہیں اور حادثات رونما ہونے والے ہیں لیکن کوئی مکمل طور سے اس بات کو نہیں جانتا تھا کہ آخر کیا ہونے والا ہے؟ اسی لئے مختلف گروہ حکومت کے حصول کے لئے مکمل کوشاں تھے۔

لھٰذا یہ مسئلہ واضح طور پر سمجھا جاسکتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد مدینہ کے حالات اس قابل نہ تھے کہ جس میں حضرت علی علیہ السلام کی خلافت اور حکومت کا قیام عمل میں آتا یہاں تک کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کےچچا عباس بن عبدالمطلب بھی اس سلسلے میں یہ سوال کر رہے تھے کہ کیا لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کو قبول کر لیں گے یا نھیں؟ یہ بات قابل غور ہے کہ عباس کا سوال اس بات کے بارے میں نہیں تھا کہ حکومت کا لائق اور سزاوار کون ہے؟ اس لئے کہ عباس، حضرت علی علیہ السلام سے زیادہ کسی کو اس امر کے لائق نہیں سمجھتے تھے اور ہمیشہ حضرت علی علیہ السلام کو بیعت کی پیشکش کرتے تھے [158]، جتنے بھی مآخذ و منابع عباس بن عبدالمطلب کے اس سوال کا ذکر کرتے ہیں ان میں یہ چیز بیان نہیں ہوئی کہ عباس نے پوچھا ہو کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ان کی جانشینی کا کون مستحق ہے؟ بلکہ عباس کا سوال یہ ہے کہ آخر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کیا ہوگا؟ کیا حکومت بنی ھاشم میں باقی رہے گی یا نھیں۔ شیخ مفید نے اسے بھترین انداز میں بیان کیا ہے کہ عباس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا وان یکن ھذا الأمر فینا مستقرّاً بعدک فبشّرنا [159] یعنی اگر ولایت و حکومت آپ کے چلے جانے کے بعد ہمارے درمیان باقی رہے گی تو ہمیں اس کی بشارت دیجئے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ آپ لوگ میرے بعد مستضعفین میں سے ہوں گے،یہاں سوال یہ نہیں کہ یہ حق کس کا ہے بلکہ بحث اس پر ہے کہ یہ حق جو حضرت علی علیہ السلام کا ہے کیا انھیں مل بھی جائے گا یا نھیں؟ عباس واقعہ غدیر سے بے خبر نہ تھے مگر اس کے بعد کے حالات و واقعات کو دیکھتے ہوئے اس قسم کے سوالات کر رہے تھے۔

انصار کہ جنھوں نے قریش کے خلاف بڑھ چڑھ کر جنگوں میں حصہ لیا تھا اس بات سے خوفزدہ تھے کہ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علی علیہ السلام مسند خلافت پر نہ بیٹھے کہ جس پر بھت سے شواھد و قرائن دلالت کر رہے ہیں، تو کیا ہوگا؟ انصار کو زیادہ تر

خوف اس بات کا تھا کہ کھیں ایسا نہ ہو کہ بنی امیہ کہ جو حکومت کے حصول کے لئے بھرپور کوشش کر رہے ہیں بر سر اقتدار آجائیں تو ایسی صورت میں انصار کی حالت بدتر ہوجائے گی اور وہ ہمیشہ بنی امیہ کے انتقام کا نشانہ بنے رہیں گے۔

ایسی صورت میں انصار کے لئے ضروری تھا کہ آئندہ کے لئے کوئی چارہ جوئی کریں کیوں کہ مدینہ ان کا اپنا وطن تھا اور مھاجرین دوسری جگہ سے ہجرت کر کے ان کے وطن میں آئے تھے لھذا اس اعتبار سے وہ اپنے آپ کو حکومت کا زیادہ حقدار سمجھ رہے تھے اسی لئے وہ پیغمبر ﷺ کی وفات کے فوراً بعد سقیفہ میں جمع ہوگئے کہ آئندہ کا لائحہ عمل کیا ہوگا اگر کوئی حادثہ پیش آگیا تو انھیں کیا کرنا ہے۔

اس وقت کے تمام قرائن اور شواھد کی روشنی میں جب انھوں نے یہ دیکھا کہ حضرت علی علیہ السلام کو خلافت و حکومت ملنا ممکن نہیں ہے تو بھتر یھی سمجھا کہ اپنے درمیان سے ہی کسی ایک کو اس امر کے لئے منتخب کرلیں، لھٰذا سعد بن عبادہ کو بلایا کہ وہ اس اجتماع میں شریک ہوں تاکہ ان کی بیعت کی جائے کیونکہ جب نوبت یہاں تک پھنچ گئی کہ حضرت علی علیہ السلام کو خلافت ملنے والی نہیں ہے تو پھر ان سے زیادہ اس امر کا سزاوار کون ہوسکتا ہے ہماری اس بات کی تائید کے لئے بھت سے شواھد موجود ہیں جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

1۔ انصار کو حضرت علی علیہ السلام کی خلافت پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہ تھا بلکہ وہ مکمل طور سے اس پر راضی تھے۔ جیسا کہ طبری [160] اور ابن اثیر [161] نے نقل کیا ہے کہ سب کے سب یا بعض انصار نے سقیفہ میں ابوبکر اور عمر کے سامنے یہ بات کھی تھی کہ ہم حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کسی اور کی بیعت نہ کریں گے اور اسی طرح یعقوبی نے بھی اس بارے میں کہا ہے کہ "وکان المهاجرون والانصار لا یشکون فی علی" [162] "انصار و مھاجرین کو حضرت علی علیہ السلام کی خلافت پر کوئی اعتراض نہ تھا" اور دوسری جگہ نقل کیا ہے کہ عبد الرحمٰن بن عوف نے انصار سے کہا کہ کیا تمھارے درمیان ابوبکر، عمر اور حضرت علی علیہ السلام جیسے افراد موجود نہیں ہیں تو انصار میں سے ایک نے کہا کہ ہم ان افراد کی فضیلت کے منکر نہیں ہیں اس لئے کہ ان کے درمیان ایک ایسا شخص موجود ہے کہ اگر وہ اس امر خلافت کو طلب کرے تو ہم میں سے کوئی بھی اس کی مخالفت نہیں کریگا یعنی علی بن ابی طالب علیہ السلام [163] اس کا مطلب یہ ہے کہ انصار غدیر خم کے واقعہ سے بے خبر نہ تھے اور ھرگز حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے منکر نہ تھے اور سقیفہ میں ان کا جمع ہونا ھرگز حضرت علی علیہ السلام کو خلافت سے دور کرنے کے لئے نہ تھا لیکن وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ کچھ لوگ حکومت حاصل کرنے کے لئے بے انتھا کوشش کر رہے ہیں جب کہ حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے حکومت کے لئے کسی بھی قسم کی سیاسی اور سماجی کوششیں دیکھنے میں نہیں آرہی تھیں لھٰذا انھیں یقین ہوگیا تھا کہ ایسی صورت حال کے پیش نظر حضرت علی علیہ السلام کسی بھی طرح خلافت پر نہیں آسکتے۔ بلکہ بھتر ہوگا کہ یوں کہا جائے کہ بعض افراد

کسی بھی صورت میں حضرت علی علیہ السلام کو خلافت تک نہیں پہنچنے دیں گے۔ لٰھذا انصار کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے لئے کوئی چارہ جوئی کریں گویا وہ مستقل طور پر اپنے لئے آئندہ کا لائحہ عمل تیار کرنا چاھتے تھے۔

2۔ انصار کا سقیفہ میں مھاجرین کو یہ پیشکش کرنا کہ ایک امیر ہمارا اور ایک امیر تمھارا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ انصار فقط یہ چاھتے تھے کہ وہ بھی حکومت میں شریک رہیں اور اس طرح وہ قریش کے احتمالی خطرات سے محفوظ رہنا چاھتے تھے، (گویا ہر صورت میں حکومت میں حصہ دار بن کر اپنے آپ کو محفوظ رکھنا چاھتے تھے)۔

3۔ سقیفہ میں انصار کی گفتگو ان کے اھداف کو واضح کرتی ہے اس کے علاوہ قاسم بن محمد بن ابوبکر کی روایت بھی انصار کے سقیفہ میں اجتماع کے مقصد کی طرف اشارہ کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ (ولکننا نخاف اَنْ یلیہ اقوام قَتَلنا آبائھم واِخوتھم) [164] لیکن ہمیں ڈر اس بات کا ہے کہ کھیں ایسا نہ ہو ان کے بعد وہ لوگ بر سر اقتدار آجائیں کہ جن کے باپ اور بھائیوں کو ہم نے قتل کیا تھا، جیسا کہ دینوری اور جوھری نے نقل کیا ہے کہ انصار نے کہا ہے کہ ہمیں ڈر اس بات کا ہے کہ کل کھیں وہ لوگ بر سر اقتدار نہ آجائیں کیونکہ نہ وہ ہم میں سے ہیں اور نہ تم میں سے [165]۔

اس بیان سے یہ بات بخوبی واضح ہے کہ انصار مکمل طور سے اس بات کو جانتے تھے کہ بعض ایسے افراد حکومت کو حاصل کرنے کے لئے کوشش کر رہے ہیں کہ جو سالھا سال مسلمانوں سے جنگ کرتے رہے ہیں اور یہ وھی لوگ ہیں جن کے باپ اور بھائیوں کو جنگ میں انصار نے قتل کیا تھا اگر وہ حکومت اپنے ھاتھ میں لے لیں گے تو انصار ان کے انتقام سے کسی صورت نہیں بچ سکتے اور وہ بنی امیہ اور ان کے طرفداروں کے علاوہ کوئی اور نہ تھا، اگرچہ خود ابوبکر سے انھیں اس قسم کا خوف نہ تھا [166] لیکن با تجربہ اور زیرک انصار جیسے حباب بن منذر اس بات کو بخوبی سمجھ رہے تھے کہ اگر آج ابوبکر جیسے لوگ مسند خلافت پر بیٹھ جائیں گے تو کل یقینی طور پر حکومت ان لوگوں کے ھاتھ میں ہوگی کہ جن کی انصار سے نہ بنے گی اور وہ ان سے انتقام اور بدلہ لینے کی فکر میں رہیں گے، حباب بن منذر کی یہ پیشین گوئی بیحد لائق تعریف ہے اس لئے کہ انھوں نے جیسی پیشین گوئی کی تھی ویسا ہی ہوا اور ابھی کچھ وقت بھی نہ گزرا تھا کہ فرزندان طلقاء [167] اقتدار میں آگئے اور اسلام و مسلمین نیز پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اہل بیت علیہم السلام پر وہ ظلم ڈھائے کہ جس کی ایک مثال واقعۂ کربلا ہے۔

4۔ در حقیقت سقیفہ میں انصار کا جمع ہونا ایک مخفیانہ عمل تھا اور کسی کو اس کی اطلاع نہ تھی اب اگر ان کا مقصد تمام مسلمانوں کے لئے خلیفہ کا انتخاب تھا تو اس صورت میں اس قسم کا خصوصی جلسہ ان کی شایان شان نہ تھا، اگرچہ وہ جلسہ کے اختتام پر اس نتیجہ پر پھنچے کہ خلیفہ کا تعین کیا جائے، مگر وہ اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ یہ کام تمام مسلمانوں کے نزدیک قابل قبول نہ ہوگا جیسا کہ ابو مخنف کی روایت اس چیز کو بیان کرتی ہے [168] کہ اگر مھاجرین نے قبول نہ کیا تو کیا کھیں گے؟ یہ تمام باتیں اس

بات پر دلالت کرتی ہیں کہ در حقیقت وہ اپنے لئے سقیفہ کے اجتماع کے ذریعہ آئندہ کا لائحہ عمل تیار کر رہے تھے اور بعد میں اس نتیجہ پر پہنچے کہ خلیفہ کا انتخاب بھی کر ہی لیا جائے۔

5۔ انصار ابوبکر کی تقریر کے بعد کہ جس میں انھوں نے انصار کو وزارت اور مشاورت کا عہدہ دینے کا وعدہ کیا [169] اختلاف کا شکار ہوگئے، بعض انصار جیسے حباب بن منذر اور سعد بن عبادہ ابوبکر پر اعتماد نہ رکھتے تھے لهٰذا یہ کہا کہ اس کی بات پر توجہ نہ کرو، لیکن بعض دوسرے افراد جیسے، بشیر بن سعد کہ جو سعد بن عبادہ کا چچا زاد بھائی تھا اور اس سے حسد اور کینہ رکھتا تھا ابوبکر کی طرف مائل ہوگیا اور سب سے پہلے ابوبکر کی بیعت کی [170] اور انصار میں دوسرا اختلاف اوس و خزرج کی آپسی رقابت کی وجہ سے پیش آیا کہ جس کے سبب قبیلہ اوس نے ابوبکر کی بیعت کرلی [171] اور پھر جو ہونا تھا وہ ہوا، اس سلسلے میں ہم شیخ مفید کا قول نقل کرتے ہیں جو نہایت متین ہے وہ یہ کہ جو کچھ ابوبکر کے حق میں ہوا اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ انصار آپس میں اختلاف رکھتے تھے نیز طلقاء اور مولفۃ القلوب بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ اس کام میں تاخیر ہو کہ کھیں ایسا نہ ہو کہ تاخیر کے سبب بنی ھاشم کو فرصت مل جائے اور یہ حکومت اپنی جگہ پر پھونچ جائے اور چونکہ ابوبکر وھاں موجود تھے اس لئے ان کی بیعت کرلی [172]۔

گذشتہ مباحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انصار کی پیشین گوئی اور ان کا خدشہ مکمل طور سے بجا تھا لیکن ان کا یہ اجتماع پیغمبر اسلام ﷺ کی تجہیز و تکفین سے پہلے کسی بھی صورت میں صحیح نہ تھا بلکہ یہ ان کی جلد بازی اور بے نظمی کی دلیل ہے جس کے نتیجے میں دوسرے افراد کو یہ موقع ملا کہ انھوں نے اپنی رائے ان پر مسلط کردی، البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ انصار پر بھی پہلے ہی سے کام کیا گیا ہو اور انھیں بنی امیہ سے بےحد ڈرایا گیا ہو، اگر انصار صبر سے کام لیتے یا اسی سقیفہ میں حضرت علی علیہ السلام کی حمایت میں ثابت قدمی کا مظاھرہ کرتے تو یقینی طور پر دوسرے لوگ بآسانی حضرت علی علیہ السلام کے ھاتھ سے حکومت لینے میں کامیاب نہ ہوتے اس لئے کہ اس وقت انصار ایک ممتاز مقام رکھتے تھے جس کی دلیل خود ابوبکر اور عمر کا انصار کے اجتماع میں آنا ہے، اس لئے کہ اگر انصار اس امر میں کوئی اہمیت نہ رکھتے تو ابوبکر اور عمر کسی صورت میں جلدی جلدی اپنے کو اس اجتماع میں پھونچا کر وھاں اپنی حکومت کی بنیاد نہ رکھتے۔

---

104. الطبقات الکبریٰ۔ ج 1 ص 204۔ انساب الاشراف۔ ج 3 ص 716۔ تاریخ طبری۔ ج 3 ص 198، ارشاد۔ ج 1 ص 181۔ الکامل فی التاریخ۔ ج 2 ص 6۔

105. الامامۃ والسیاسۃ۔ ص 28

106. السقیفہ و فدک۔ ص 60

107. "اجتمعت بنو امیہ الیٰ عثمان بن عفان"

109. السقیفہ و فدک ص 37

111. کتاب "عبداللہ ابن سبا" علامہ عسکری، ج1 ص101

112. السقیفہ و فدک ص37

113. تاریخ طبری۔ ج3 ص209

114. تاریخ طبری ج3 ص209، ارشاد۔ ج1 ص189

115. الارشاد: ج1 ص190۔ (فحرّضہم علی امر فلم ینھضوا لہ)

116. السقیفہ و فدک: ص37، تاریخ طبری: ج3 ص209۔

117. السیرۃ النبویۃ ابن ھشام: ج4 ص305، 311، تاریخ الطبری: ج3 ص210، البدایہ والنھایہ: ج5 ص262، انساب الاشراف: ج2 ص742۔

118. انساب الاشراف۔ ج2 ص744۔

119. انساب الاشراف: ج2 ص762، الطبقات الکبریٰ: ج3 ص182۔

123. الارشاد۔ ج1 ص184۔

124. انساب الاشراف۔ ج2 ص729 والارشاد ج1 ص182 (یصلّی بالناس بعضہم)

125. السقیفہ و فدک۔ ص: 68۔

126. انساب والاشراف: ج2 ص727،729، 731، 732، 735، تاریخ طبری: ج3 ص197۔

127. الطبقات الکبریٰ: ج2 ص222، 223، دلائل النبوۃ۔ ج7 ص191، 192

128. دلائل النبوۃ: ج7 ص191، 192، الطبقات الکبریٰ: ج2 ص218 تاریخ الطبری: ج3 ص197

129. الطبقات الکبریٰ: ج2 ص215 تا 224 و ج13 ص178 تا 181۔

131. الطبقات الکبریٰ: ج1 ص190، 249، السقیفہ و فدک: ص74، 75، تاریخ یعقوبی: ج2 ص113، الکامل فی التاریخ: ج2 ص5

133. الطبقات الکبریٰ: ج4 ص205

136. الامامۃ والسیاسۃ: ص20۔

137. السقیفہ و فدک: ص73: الطبقات الکبریٰ: ج1 ص243، 244۔ الارشاد: ج1 ص184

139. تاریخ الطبری: ج3 ص193 (حاشیہ۔والسقیفہ و فدک: ص73 (ایک روایت کے ضمن میں)

140. سورہ نجم آیت 3۔

141. انساب الاشراف: ج2 ص738

142. الطبقات الکبریٰ: ج1 ص243، والسقیفہ و فدک: ص173 (فرفضہ النبی: پس اس معنی میں نبی (ص پہلے رافضی ہیں)

143. ارشاد۔ ج1 ص184

144. البدایۃ والنھایۃ ج5 ص271۔

145. السیرۃ النبویہ: ابن ھشام ج4 ص305، 311، انساب الاشراف:ج2 ص742، تاریخ طبری: ج3 ص210۔ البدایۃ والنھایۃ:ج5 ص262، 263۔

146. انساب الاشراف" ج2 ص764۔ السقیفہ و فدک: ص55۔ تاریخ طبری: ج3 ص203۔

147. الارشاد: ج1 ص180، 181۔

148. تاریخ یعقوبی: ج2 ص113۔

149. السیرۃ النبویہ: ابن ھشام ج4 ص299، 300۔ الطبقات الکبریٰ: ج1 ص190، 249۔

152. السیرۃ النبویہ: ابن ھشام ج4 ص300 (فخرج اسامہ وخرج جیشہ معہ حتی نزلوا الجرف من المدینہ علی فرسخ)

153. الارشاد: ج:1 ص183۔

154. الارشاد۔ ج:1 ص184

155. السقیفہ و فدک۔ ص37، البتہ انساب الاشراف ج2، ص773 نے اس بات کو واقدی سے نقل کیا ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ ابوسفیان پیغمبر(ص.کی وفات کے وقت مدینہ میں تھا لھٰذا ایسی صورت میں یہ دلیل قابل قبول نہیں ہے۔

156. الارشاد: ج1 ص184۔

158. انساب الاشراف: ج2 ص 767، الامامۃ والسیاسۃ:ص21۔

159. ارشاد: ج1 ص184

160. تاریخ طبری: ج3 ص202۔

161. الکامل فی التاریخ: ج2 ص10۔

162. تاریخ یعقوبی: ج2 ص124۔

163. تاریخ یعقوبی: ج2 ص124

164. الطبقات الکبری: ج3 ص182، انساب الاشراف: ج2 ص762۔ السقیفہ و فدک: ص49۔

166. الطبقات الکبریٰ: ج3 ص182

167. آزاد شدہ

168. تاریخ طبری: ج3 ص218، 219۔

169. تاریخ طبری: ج3 ص220، الطبقات الکبریٰ ج3 ص182۔

170. تاریخ طبری: ج3 ص220۔

171. تاریخ طبری: ج3 ص221۔

چوتھا حصہ: ابو مخنف کی روایت پر کئے گئے اعتراضات اور ان کے جوابات

تمہید

واقعہ سقیفہ کے بارے میں ابو مخنف کی روایت کے مطالعہ کے بعد ممکن ہے کہ کسی کے ذھن میں اپنی سوچ یا تاریخی معلومات کی بنا پر کچھ اعتراضات ابھریں کہ جنھیں وہ واقعاً اعتراض سمجھتا ہو یا ان کے بارے میں صحیح اور مستند جواب چاھتا ہے، کتاب کا یہ حصہ اعتراضات کے بیان اور ان کے جوابات کے لئے مخصوص کیا گیا ہے، اس حصہ میں ذکر ہونے والے اعتراضات محض فرضی نہیں ہیں بلکہ یہ وہ اعتراضات ہیں جو اہل سنت [173] کے ایک مورخ نے ابو مخنف کی روایت [174] کے بارے میں کئے ہیں لھٰذا ہم اس بحث کو صحیح صورت میں آپ کے سامنے پیش کرنے کے لئے ان اعتراضات کو ذکر کرنے کے بعد منصفانہ طور پر ان کا جواب دیں گے۔

پھلا اعتراض؛ روایت کی سند سے متعلق

اس سلسلے میں سب سے پھلا اعتراض یہ ہے کہ روایت صرف ابو مخنف نے نقل کی ہے اور ابو مخنف کے ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ ھشام بن کلبی بھی ضعیف ہونے کے اعتبار سے ابو مخنف سے کم نہیں ہے، اس کے علاوہ یہ کہ "عبداللہ بن عبد الرحمان بن أبی عمرہ" اس واقعہ کا عینی شاھد نہ تھا اس لئے کہ وہ اس زمانہ میں موجود نہ تھا [175]۔

جواب:

اس اعتراض میں چند مختلف مطالب کی طرف اشارہ ہے لھٰذا ہم ایک ایک کر کے ان کا جواب دے رہے ہیں۔

الف۔ یہ دعویٰ کہ اس روایت کو تنھا ابو مخنف نے نقل کیا ہے۔

یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ یہ معترض کی کم علمی اور ضروری تحقیق نہ کرنے کی دلیل ہے اس لئے کہ ابو مخنف کی روایت کا مضمون یا وھی مضمون کچھ اضافہ کے ساتھ دوسرے مورخین نے بھی نقل کیا ہے جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

1۔ دینوری نے اپنی کتاب "الامامۃ والسیاسۃ" میں یہ روایت جس سند کے ساتھ نقل کی وہ یہ ہے۔ حدثنا ابن عُفیر، عن أبی عون، عن عبداللہ بن عبدالرحمان الانصاری رضی اللہ عنہ [176]

2۔ دوسری سند جسے جوھری نے یوں نقل کیا۔ أخبرنی احمد بن اسحاق قال: حدثنا احمد بن سیار، قال: حدثنا سعید بن کثیر بن عفیر الانصاری: ان النبی ﷺ [177]

3۔ ابن اثیر سلسلہ سند کی طرف اشارہ کئے بغیر اعتماد کے ساتھ کھتا ہے، وقال ابو عمر الانصاری: لما قبض النبی ﷺ [178]

خلاصہ یہ کہ یہ تین یا چار سندیں ایک ہی روایت کو بیان کرتی ہیں یہاں تک کہ ان میں بہت سے الفاظ اور جملے بھی ایک جیسے ہیں، ان چار سندوں میں سے صرف ایک سلسلۂ سند میں ابو مخنف ہیں۔

ب۔ دوسری بات جو اعتراض کے عنوان سے پیش کی گئی وہ یہ ہے کہ ابو مخنف اور ھشام بن کلبی دونوں ضعیف ہیں۔

ابو مخنف اور ان کی روایت پر اعتماد کے بارے میں حصہ اول میں تفصیل کے ساتھ بحث کی جاچکی ہے جس میں بیان کیا گیا کہ شیعہ علماء رجال نے ان پر مکمل اعتماد کیا ہے اور اہل سنت کے مورخین نے بھی معمولاً ان پر اعتماد کیا ہے اور بعض نے تو فقط ان کی روایت ہی کو نقل کرنے پر اکتفا کی ہے کیا یہ چیز ان کے قابل اعتماد ہونے کی نشاندھی نہیں کرتی ہے؟

اور ھشام بن کلبی بھی شیعہ علماء رجال کے نزدیک ایک معروف اور قابل اعتماد شخصیت ہیں جیسا کہ نجاشی ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ فضل و علم کے حوالے سے مشھور اور امام صادق علیہ السلام کے نزدیک ترین اصحاب میں سے تھے [179]۔

اہل سنت کے علماء نے فقط انھیں شیعہ ہونے کی وجہ سے "متروک" جانا ہے اور ظاھراً شیعہ ہونے کے علاوہ کوئی دوسری وجہ ضعیف ہونے کی ذکر نہیں کی، جیسا کہ ابن حبان نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ "وکان غالیاً فی التشیع" [180] اور ذھبی کا کھنا ہے کہ "وترکوہ کأبیہ و کانا رافضین" [181]۔

لیکن یاقوت حموی کا کھنا ہے "الاخباری، النسّابہ، العلامہ، کان عالماً بالنسب واخبار العرب و ایامھا و وقائعھا و مثالبھا" [182] اخباری، نسابہ، علامہ اور عربوں کے شجرۂ نسب اور ان کے مختلف ادوار کے حالات و واقعات اور عیوب کے عالم تھے، یہ پوری عبارت ان کی علمی عظمت پر دلالت کرتی ہے لھذا ہمارے پاس کوئی ایسی خاص دلیل نہیں ہے کہ جس کی بنا پر انھیں چھوڑ دیا جائے اسی لئے ہم انھیں قابل اعتماد سمجھتے ہیں۔

ج۔ البتہ یہ دعویٰ کہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ نے اس زمانہ کو درک نہیں کیا لھٰذا وہ اس واقعہ کا عینی شاھد نہیں ہوسکتا بالکل صحیح ہے اور اس طرح یہ روایت منقطع ہوکر رہ جائے گی لیکن یہ چیز کسی خاص مشکل کا سبب نہیں بنے گی اور اس اعتراض کے دو جواب ہیں، نقضی اور حلّی۔

نقضی جواب:

اول یہ کہ علماء کرام تاریخی واقعات کے متعلق روایات کی سند کے بارے میں کوئی خاص توجہ نہیں دیتے ہیں البتہ اس کا مطلب ھرگز یہ بھی نہیں کہ جس خبر کو جھاں سے سنا اسے قبول کرکے نقل کردیا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح فقھی روایات کی سند پر غور کیا جاتا ہے اس طرح کی توجہ یہاں نہیں کی جاتی بلکہ اگر کوئی خبر کسی ایسے عالم سے سنی جائے جو مشھور و معروف اور قابل اعتماد ہو اور عقلاء اس پر اطمینان کا اظھار کریں تو اسے کافی سمجھتے ہیں اور سند کے بجائے اس کے مضمون پر غور کرتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ اگر پوری تاریخ کو سندی اعتبار سے دیکھا جائے تو شاید ہی تاریخ میں کوئی چیز باقی رہے۔ اس لئے کہ ایسی صورت میں اکثر روایات کو ختم کردیا جائے اور فقط ان صحیح روایات پر اکتفا کی جائے جو احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں تو ایسے میں گزشتہ واقعات کی صحیح تصویر پیش نہیں کی جاسکتی۔

تیسرے قابل توجہ بات یہ ہے کہ یھی احادیث کی کتابیں جب تاریخی واقعات کو بیان کرتی ہیں تو مرسل، منقطع و۔۔ روایات سے پُر دکھائی دیتی ہیں، ہم یہاں بعنوان مثال فقط ان چند روایات کا تذکرہ کرتے ہیں جو واقعۂ سقیفہ کے بارے میں ہیں اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ معترض نے ابو مخنف کی روایت کے لئے جن روایات کا سھارا لیا ہے خود ان کا تعلق بھی "مرسلہ روایات" سے ہے۔

جو روایت مسند احمد بن حنبل [183] میں حمید بن عبد الرحمٰن سے نقل ہوئی ہے یہ روایت ابوبکر اور عمر کے سقیفہ میں جانے نیز ابوبکر کی سقیفہ میں تقریر کہ جس میں انھوں نے انصار کی فضیلت اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کو نقل کیا ہے جس میں آپ نے فرمایا: "حکومت قریش میں ہونی چاھیے" اس کے بعد سعد بن عبادہ کی تصدیق اور بیعت کرنے کو بیان کرتی ہے۔

معترض نے بارہا ابو مخنف کے مطالب کو رد کرنے کے لئے اس روایت سے استفادہ کیا ہے جب کہ یہ بھی ایک "مرسلہ روایت" ہے، جیسا کہ ابن تیمیہ، جو اُن کے نزدیک شیخ الاسلام ہے "منھاج السنہ" میں اس روایت کے بارے میں کھتا ہے "ھذا مرسل حسن" [184] یہ روایت مرسل اور حسن ہے۔

اور عجیب بات تو یہ ہے کہ معترض نے حاشیہ پر خود ابن تیمیہ کا یہ جملہ نقل کیا ہے [185] لیکن اپنے آپ سے یہ سوال نہیں کیا کہ آخر میں خود اس روایت کے مرسل ہونے کے باوجود کیوں اتنے وثوق سے اس پر عمل کر رہا ہوں۔

1۔ وہ روایت جو ابن ابی شیبہ [186] نے ابو اسامہ کے توسط سے بنی زریق کے ایک آدمی سے واقعہ سقیفہ کے بارے میں نقل کی ہے اور یہ روایت چونکہ بنی زریق کے نامعلوم شخص سے نقل ہوئی ہے لھذا یہ سندی ابھام سے دوچار ہے اس کے باوجود معترض نے اس روایت پر بھی اعتبار کیا ہے [187]۔

2۔ وہ روایت جو "الطبقات الکبریٰ" [188] میں قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق تمیمی سے نقل ہوئی ہے یہ روایت بھی مرسل ہونے کے باوجود معترض کے لئے قابل استناد ہے [189]

یہ مرسلہ روایات کی چند مثالیں تھیں تاریخ کے دسیوں سیکڑوں ابواب میں سے ایک خاص باب کے بارے میں اور یھی روایات ان لوگوں کی نظر میں قابل اعتماد و استناد ہیں جو تاریخ کی اسناد کے بارے میں مختلف شکوک و شبھات پیدا کرتے ہیں۔

چوتھے یہ کہ خود معترض نے اپنی کتاب کے مقدمہ [190] میں یہ بات لکھی ہے کہ ایک مورخ کو فقط خبر پر نظر نہیں کرنی چاھیے بلکہ اس کے مختلف پھلوؤں پر بھی غور کرنا چاھیے، لھٰذا کسی خبر کے بارے میں اس کی صحت اور ضعف کا فیصلہ کرنا اس کے مختلف

پھلوؤں کے مطالعہ کے بعد ہی صحیح ہے اس لئے کہ کبھی اس کا نتیجہ مسلّم حقائق کے انکار کا موجب بنتا ہے اور اپنے قول کی تائید کے سلسلے میں امام مالک کے اس قول کو بعنوان شاھد پیش کرتا ہے کہ "صحابہ کی بد گوئی نبی ﷺ کی بدگوئی کے مترادف ہے"۔

اس بنا پر اگر کوئی خبر کتنی ہی صحیح السند کیوں نہ ہو لیکن اگر وہ ایسے مطالب کو بیان کرے جو قابل قبول نہ ہوں مثال کے طور پر کسی صحابی کے عیوب و نقائص کو بیان کرتی ہو تو یہ روایت ان کے نزدیک ضعیف ہے، لھٰذا سند کی تحقیق کرنے سے پھلے اس کے مطالب پر نظر کی جائے کہ کھیں کسی کے مسلم نظریات سے تعارض نہ رکھتی ہو تو اگر اس خبر کے مطالب قابل قبول ہیں تو سند کو بھی صحیح کرلیا جائے گا!!

ایسی صورت میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے کلام کو بآسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ جھاں اس نے کہا ہے کہ یہ حدیث مرسل و حسن ہے، یعنی مرسل بھی ہے اور حسن بھی، اور اس طرح ابن عدی کے کلام کو ابو مخنف کے بارے میں بھی بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ ابن عدی کا کھنا ہے کہ ابو مخنف نے ایسی روایات کو نقل کیا ہے کہ دل نہیں چاھتا کہ انھیں نقل کیا جائے [191] در حقیقت ابو مخنف کے ضعیف ہونے کا سبب ان کی روایات کا متن اور مضمون ہے جو ان کے مفروضہ نظریات کے خلاف ہے۔

لھٰذا تاریخ کی سند میں غور و فکر اور شک و شبہ کے دعویٰ کی نہ کوئی حقیقت ہے اور نہ کوئی گنجائش ہے بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ دعویدار اس قسم کی باتوں سے اپنے مخالفین کے وجود سے میدان کو صاف کرنا چاھتے ہیں، لیکن جب بات اپنی اور اپنے عقائد کے اثبات کی آجاتی ہے تو پھر روایت کا متن اور اس کے مطالب ہی سب کچھ ہوتے ہیں (اور پھر سند کی صحت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا)۔

حلّی جواب:

ممکن ہے کہ سلسلۂ اسناد میں سے کلمۂ "عن" حذف ہوگیا ہو یعنی در حقیقت اس طرح ہو۔ عبداللہ بن عبدالرحمن [عن ابیہ] عن ابی عمرة الانصاری یہ محض ایک ضعیف احتمال نہیں ہے بلکہ اس کی بھت سی مثالیں موجود ہیں، اس کے علاوہ ہم اس مطلب کی تائید کے لئے شواھد اور قرائن بھی رکھتے ہیں اور وہ یہ کہ ابن اثیر کھتا ہے "قال ابو عمرة الانصاری" [192] یہ بات اس چیز کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ جو نسخہ اس کے پاس موجود تھا اس میں اس روایت کو ابو عمرۃ انصاری سے نقل کیا گیا ہے نہ عبداللہ بن عبد الرحمٰن سے اور اگر بالفرض اس احتمال کو قبول نہ کریں تو یہ بات واضح ہے کہ جب عبداللہ بن عبدالرحمٰن خود اس واقعہ کا شاھد عینی نہیں ہے تو یقیناً اس نے یہ خبر اپنے والد اور اس کے والد نے ابی عمرۃ انصاری (اس کے دادا) سے نقل کی ہے، اور عزیز و اقارب میں سلسلۂ سند کا حذف کردینا اس دور میں ایک معمول تھا۔

اس کے علاوہ ان تینوں (ابو مخنف، جوھری اور دینوری) کی نقل شدہ روایات کے سلسلۂ اسناد میں جو معروف افراد اور علماء موجود ہیں یہ خود روایات کے متن اور اس کے صحیح ہونے پر دلیل ہیں۔ خاص طور پر وہ روایت کہ جسے جوھری نے نقل کیا ہے اس میں ایسے اشخاص موجود ہیں کہ جن کے بارے میں اہل سنت مکمل اعتماد و اطمینان کا اظہار کرتے ہیں، جیسے احمد بن سیار کو ابن ابی حاتم اور دار قطنی نے قابل اعتماد کہا ہے [193]، نیز سعد بن کثیر کو ابن ابی حاتم نے صدوق (بھت زیادہ سچ بولنے والا) کہا ہے اور وہ کھتا ہے کہ وہ دوسروں کی کتابوں سے نقل کرتا تھا [194]، اور انھیں کے بارے میں ذھبی کا کھنا ہے کہ "کان ثقة، اماما، من بحور العلم" [195] وہ ثقہ، امام اور علم کے سمندروں میں سے تھے۔ یقینی طور پر اس قسم کے برجستہ اور قابل اعتماد افراد ہر خبر کو آسانی سے نقل نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کسی بھی قسم کا کوئی اعتراض ابو مخنف کی روایت کی سند پر وارد نہیں ہوتا ہے۔

دوسرا اعتراض؛ سعد بن عبادہ کی تقریر کے تنھا راوی ابو مخنف ہیں

یعنی ابو مخنف کی روایت ہی میں فقط سعد بن عبادہ کی تقریر کا ذکر آیا ہے جس میں انھوں نے انصار کو حکومت کے لئے سب سے زیادہ مستحق کہا ہے [196]۔

جواب:

پھلی بات تو یہ کہ سعد بن عبادہ کی وھی تقریر مزید تین سلسلوں سے نقل ہوئی ہے اور وہ تین سلسلے جوھری، دینوری اور ابن اثیر ہیں جنھوں نے اسے ذکر کیا ہے اور اگر فرض کر بھی لیا جائے کہ سعد بن عبادہ کی تقریر کو فقط ابو مخنف نے نقل کیا اور کسی دوسرے راوی نے اسے نقل نہیں کیا تو جب بھی یہ چیز اس کی نفی پر دلیل نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ عموماً وہ تمام روایات جو اہل سنت سے سقیفہ کے بارے میں نقل ہوئی ہیں نھایت ہی مختصر اور نقل بہ معنی ہیں سوائے اُس روایت کے کہ جو سقیفہ کے بارے میں عمر کے خطبہ پر مشتمل ہے کہ وہ ایک طویل خطبہ میں سقیفہ کے ماجرے کو بیان کرتے ہیں، عمر کا خطبہ اس لحاظ سے کہ وہ واقعۂ سقیفہ کے عینی شاھد اور خلافت کے امیدواروں میں سے ایک تھے خاصی اہمیت کا حامل ہے یہ خطبہ تاریخ اور احادیث کی معتبر کتابوں میں نقل ہونے کی [197] وجہ سے ایک اہم سند شمار ہوتا ہے، وہ مطالب جو عمر کے خطبہ میں بیان ہوئے ہیں اگرچہ ابو مخنف کی روایت سے تھوڑے سے مختلف ہیں لیکن مجموعی طور پر ابو مخنف کی روایت کے اصلی اور بنیادی مطالب کی تائید کرتے ہیں، یہ بات آئندہ کی بحث میں روشن ہوجائے گی۔

اگرچہ عمر اپنے خطبہ میں سعد بن عبادہ کی تقریر کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہے

لیکن یہ بات یقین سے کھی جاسکتی ہے کہ اس سے پھلے کہ ابوبکر اور عمر انصار کے اجتماع سے باخبر ہوتے اور سقیفہ پھنچتے سعد بن عبادہ کی مختصر سی تقریر ختم ہوچکی تھی۔ لھٰذا جب انھوں نے سعد بن عبادہ کی تقریر کو سنا ہی نہیں تو وہ اس کی طرف کیا اشارہ کرتے۔ لیکن یہ بات کہ انصار سقیفہ میں اپنے آپ کو امر حکومت کے لئے زیادہ سزاوار سمجھ رہے تھے ابو مخنف کی روایت میں سعد بن عبادہ کے قول کی روشنی میں نقل ہوئی ہے اور اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں اس لئے کہ سقیفہ میں انصار کے خطباء کی تقاریر سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے جیسا کہ عمر نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ جب ہم تھوڑی دیر بیٹھے تو انصار کے خطیب نے خدا کی حمد و ثناء کی اس کے بعد کہا (اما بعد نحن انصار الله و كتيبة الاسلام وانتم معشر المهاجرين رهط) [198] یعنی ہم خدا کے انصار اور اسلام کے لشکر ہیں جب کہ تم لوگ گروہ مھاجرین سے ہو اور راندۂ درگاہ ہو، اگرچہ عمر نے اس خطیب کا نام نہیں لیا لیکن وہ خطیب حباب بن منذر انصاری تھا [199]، بھر حال انصار کے خطیب کی یہ تقریر ان کے امر خلافت میں اپنے آپ کو سب سے زیادہ مستحق سمجھنے کی دلیل ہے اور اگر معترض کا کھنا یہ ہے کہ خود سعد بن عبادہ اس قسم کی کوئی فکر نہ رکھتا تھا تو یہ بات قطعی طور پر غلط ہے اس سلسلے میں ہم آئندہ مزید بحث کریں گے۔

تیسرا اعتراض؛ انصار نے سقیفہ میں موجودہ مھاجرین کی مخالفت نہیں کی

ابو مخنف نے انصار کے بارے میں جو یہ کہا ہے کہ "جب انھوں نے آپس میں یہ فیصلہ کر لیا کہ امر ولایت سعد بن عبادہ کے سپرد کردیا جائے تو پھر کھنے لگے کہ اگر قریش کے مھاجرین نے اسے قبول نہ کیا اور وہ کھنے لگے کہ ہم مھاجر اور رسول خدا ﷺ کے سب سے پھلے صحابی ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ تو سعد نے ان کی مخالفت میں یہ کہا کہ یہ تمھاری پھلی غلطی ہوگی" یہ جملے اس بات پر دلیل ہیں کہ انصار پھلے ہی سے مھاجرین کی مخالفت کرنے کے سلسلے میں اتفاق رکھتے تھے جب کہ یہ چیز بالکل غلط ہے اس لئے کہ صحیح روایات اس چیز کو بیان کرتی ہیں کہ انصار رضی اللہ عنھم، ابتدا میں اپنے اجتھاد کے مطابق اور حکم سے ناواقفیت کی وجہ سے سعد کی بیعت کرنا چاھتے تھے یھی وجہ تھی کہ جب ابوبکر نے امر ولایت کے سلسلے میں صحیح حکم ان تک پھونچا دیا تو ان سب نے اسے قبول کرلیا اور کسی نے بھی اس کی مخالفت نہ کی [200]۔

جواب

۔ یہ اعتراض دو دعووں پر مشتمل ہے۔

پھلے تو یہ کہ صحیح روایات اس چیز کو بیان کرتی ہیں کہ انصار ابتداء میں اپنے اجتھاد اور صحیح حکم کے نہ جاننے کی وجہ سے سعد کی بیعت کرنا چاھتے تھے۔

دوسرے یہ کہ جب ابوبکر نے صحیح حکم ان کے سامنے بیان کیا تو سب نے اسے قبول کرلیا اور کسی نے بھی اس کی مخالفت نہ کی۔

معترض کے یہ دونوں دعوے باطل ہیں۔

پھلا دعویٰ یہ کہ اس نے گذشتہ بیان کی نسبت صحیح روایات کی طرف دی ہے یہ ایک بے بنیاد بات ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے اس لئے کہ ہم نے بے انتھا تحقیق اور اصل مضامین میں نھایت تلاش و جستجو کے بعد بھی ایسی کوئی روایت نہیں پائی جو یہ بیان کرتی ہو کہ انصار حکم نہ جاننے اور اپنے اجتھاد کی روشنی میں سعد کی بیعت کرنا چاھتے تھے اور خود معترض نے جتنی بھی روایات اپنی کتاب میں ذکر کی ہیں ان میں سے ایک بھی اس قسم کے مطلب کو بیان نہیں کرتی لھذا معترض کے لئے ضروری تھا کہ وہ ایسی صورت میں صحیح روایات کے معنی کو مزید واضح طور پر بیان کرتا۔

صرف بعض روایات میں یہ ملتا ہے کہ انصار ابوبکر کی وہ تقریر سننے کے بعد جس میں انھوں نے کہا تھا کہ ہم امیر ہیں اور تم وزیر، ابوبکر کی بیعت کرنے پر راضی ہوگئے [201]

اور اسی طرح ایک دوسری روایت میں یہ ملتا ہے کہ سعد بن عبادہ نے ابوبکر کی اس بات کی تصدیق کی کہ ولایت و حکومت قریش میں ہونی چاھیے، اس روایت کے قرینوں سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ سعد بن عبادہ نے بغیر کسی اعتراض کے ابوبکر کی بیعت کرلی تھی [202] لیکن اس قسم کی روایات اہل سنت کی ان روایات سے تعارض رکھتی ہیں جو صحیح السند ہیں ہم اس مطلب کی وضاحت دوسرے دعوے کے جواب میں کریں گے۔

لیکن جو چیز قابل توجہ ہے وہ یہ کہ عام طور سے انصار صاحبِ نظر تھے اور پیغمبر اسلام ﷺ بعض جنگوں میں ان کی رائے کے مطابق عمل کیا کرتے تھے [203]، ابوبکر نے بھی سقیفہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس روایت کی طرف اشارہ کیا تھا جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تمام لوگ ایک طرف جائیں اور انصار دوسری طرف تو میں اسی طرف جاؤں گا جس طرف انصار گئے ہیں [204]۔

ان تمام اوصاف کے ہوتے ہوئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ انصار نادان اور ہر چیز سے بے خبر تھے اور فقط صحیح حکم کے جاننے کی وجہ سے سعد بن عبادہ کی بیعت کرنا چاھتے تھے اور جب ابوبکر نے انھیں صحیح حکم سے آگاہ کیا تو سب نے اسے قبول کرلیا کیا یہ بات حقیقت سے دور نہیں ہے؟ کیا یہ انصار اور اصحاب رسول خدا ﷺ کی تحقیر نہیں ہے؟ کیا حقیقتاً انصار اس قدر جاہل اور ابوبکر کی تقریر کے دو جملوں کے محتاج تھے؟

اس کے علاوہ اگر ابوبکر کی تقریر پر غور کریں تو اس میں کوئی بات ایسی نہیں تھی کہ جس کا حکم انصار پہلے ہی سے نہ جانتے ہوں لھذا ضروری ہے کہ اعتراض کرنے والوں سے یہ پوچھا جائے کہ آخر ابوبکر نے انصار کو ایسا کون سا حکم سنایا تھا جو ان سے پوشیدہ تھا؟ ابوبکر نے انصار کی فضیلت اور ان کے جھاد کا ذکر کیا تھا جس کے بارے میں وہ خود ان سے بھتر جانتے تھے، ابوبکر پیغمبر اسلام ﷺ کے سببی رشتے دار تھے یہ بھی سب جانتے تھے اور اس روایت کے مطابق کہ جو نقل کی گئی کہ خلافت اور خلیفہ کا تعلق قریش سے ہوگا [205]، یہ بھی انصار بخوبی جانتے تھے جس کی دلیل یہ ہے کہ وہ روایت یہ بھی کھتی ہے کہ سعد بن عبادہ نے یہ روایت پھلے سے سن رکھی ہے اور اس سلسلے میں ابوبکر کی تصدیق بھی کی تھی [206]، خلاصہ یہ کہ آخر وہ کیا حکم تھا جو انصار سے پوشیدہ تھا اور ابوبکر نے اسے ان کے سامنے بیان کیا تھا؟!

اور دوسرا دعویٰ کہ جس میں کہا گیا ہے کہ ابوبکر کی تقریر کے بعد سب نے اسے قبول کرلیا اور کسی نے بھی اس کی مخالفت نہ کی یہ بھی مکمل بے بنیاد ہے اگرچہ اہل سنت کی بعض روایتیں اس دعوے کی تصدیق کرتی ہیں کہ تمام انصار ابوبکر کے سامنے مکمل طور سے تسلیم ہوگئے اور کھنے لگے خدا کی پناہ جو ہم ابوبکر پر سبقت کریں [207] جیسا کہ وہ روایت ہے کہ جس میں سعد بن عبادہ نے ابوبکر کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ حاکم قریش سے ہونا چاھیے [208] اور مزید چند روایتیں کہ جن میں کہا گیا ہے کہ انصار نے ابوبکر کی بیعت کی۔

لیکن ہم اس کے جواب میں یھی کھیں گے کہ ان دو حدیثوں میں سے ایک حدیث مرسل ہے جسے ابن تیمیہ نے مرسل حسن کہا ہے اور دوسری حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے [209]، لھذا یہ حدیث ھرگز ایسے افراد کی طرف سے سند کے طور پر پیش نہیں کی جاسکتی جو صرف یہ چاھتے ہیں کہ تاریخ میں فقط صحیح احادیث کا سھارا لیا جائے، اس کے علاوہ یہ روایتیں ان دو روایتوں سے تعارض رکھتی ہیں جو اہل سنت کے نزدیک مقبول و معروف ہیں نیز یہ اہل سنت کے عظیم مورخین کے اقوال سے بھی تعارض رکھتی ہیں جس کی چند مثالیں آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

1۔ عمر نے اپنے مشھور و معروف خطبہ میں واقعۂ سقیفہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ جب ابوبکر کی تقریر ختم ہوگئی اور انھوں نے کہا کہ ان دو افراد (عمر یا ابو عبیدہ) میں سے کسی کی بیعت کر لو تو انصار کا ایک آدمی کھڑا ہوا اور کھنے لگا "منّا امیر و منکم امیر یا معشر قریش" اب اگر انصار سب کے سب ابوبکر کے سامنے تسلیم تھے (جیسا کہ اعتراض کرنے والے نے کہا ہے) تو پھر کیا وجہ تھی کہ قریش حکومت کو قبول نہیں کر رہے تھے اور چاھتے تھے کہ ان میں سے بھی ایک امیر ہو؟

2۔ اگر ایسا ہی تھا کہ جیسا اعتراض کرنے والا شخص کہہ رہا ہے کہ جب ابوبکر نے انصار کے لئے صحیح حکم کو بیان کیا تو سب نے قبول کرلیا اور کسی نے بھی اس کی مخالفت نہ کی تو پھر یہ عمر اپنے خطبہ میں کیا کہہ رہے ہیں کہ جب ابوبکر کی تقریر ختم ہوگئی اور انصار کے خطیب نے اپنا الگ امیر بنانے کا اعلان کیا تو "فکثر اللغط وارتفعت الاصوات حتی فرقت من الاختلاف" ایک

ھنگامہ اور شور و غل کا سماں تھا کہ مجھے وھاں اختلاف پیدا ہونے کا خدشہ ہوگیا، سوال یہ ہے کہ اگر سب نے قبول کرلیا تھا تو پھر یہ ھنگامہ آرائی اور شور و غل کیسا تھا کہ عمر نے کہا کہ مجھے ڈر تھا کہ کھیں اختلاف نہ پھوٹ پڑے؟

کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انصار اس حکومت کو قبول کرنا نہیں چاھتے تھے؟ یا یہ کہ خود ان کے درمیان آپس میں اختلاف تھا، بھر حال ان تمام باتوں کی روشنی میں یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد اور کھوکھلا ہے کہ یہ کہا جائے کہ ابوبکر کی تقریر سننے کے بعد تمام انصار نے اسے قبول کرلیا تھا اور کسی نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی تھی!

3۔ عمر اپنے اسی خطبے کے آخر میں لکھتے ہیں کہ "خشينا ان فارقنا القوم ولم تكن بيعة ان يبايعوا رجلاً منهم بعدنا" یعنی ہمیں اس بات کا ڈر تھا کہ کھیں ایسا نہ ہو کہ ہم اس قوم سے بیعت لئے بغیر جدا ہوجائیں اور یہ اپنے ہی میں سے کسی آدمی کی بیعت کرلیں، یہ عبارت واضح طور پر انصار کی نظر اور ان کی رائے کو منعکس کر رہی ہے کہ وہ ابوبکر اور عمر پر کسی بھی قسم کا اعتماد نہ رکھتے تھے اس کے علاوہ ابوبکر اور عمر کی تقریر کے بعد بھی وہ یھی چاھتے تھے کہ اپنے ہی افراد میں سے کسی کی بیعت کرلیں۔

4۔ ابن ابی شیبہ نے ابو سامہ سے جو روایت نقل کی ہے [210] اس میں کہا گیا ہے کہ جب ابوبکر قریش کے فضائل بیان کر چکے تو اس کے بعد کہا کہ آؤ اور عمر کی بیعت کرو تو انھوں نے منع کردیا عمر نے کہا کیوں؟ تو انصار نے کہا کہ انانیت و خود خواھی سے ڈر لگتا ہے [211]، لھٰذا سوال پیدا ہوتا ہے اگر انصار ابوبکر پر مکمل اعتماد کرتے تھے تو پھر عمر کے بارے میں کیوں ابوبکر کی پیش کش کو رد کردیا؟

5۔ وہ روایت جو "*الطبقات الكبريٰ*" [212] میں ذکر ہوئی ہے "قال: لما ابطأ الناس عن ابى بكر، قال: من احقّ بهذا الأمر منّى؟ ألستُ اول من صلى؟ ألست؟ قال: فذكر خصالاً فعلها مع النبى" اور جب لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کرنے میں سستی اور بے رغبتی کا مظاھرہ کیا تو انھوں نے کہا کہ کون اس منصب کے لئے مجھ سے زیادہ سزاوار ہے کیا وہ میں نہیں ہوں کہ جس نے سب سے پھلے نماز پڑھی اور کیا میں وہ نہیں کیا میں وہ نہیں وغیرہ وغیرہ (راوی کا بیان ہے کہ) پھر وہ تمام کام جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ انجام دئے تھے بیان کئے، یہ روایت بھی بخوبی انصار کی ابوبکر سے بے رغبتی پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اس بات پر مجبور ہوگئے کہ اپنی تعریفیں خود ہی کرنے لگے تاکہ انصار سے اپنی بات منوائی جاسکے، اگرچہ ہم ان فضیلتوں پر بھی یقین نہیں رکھتے ہیں اس لئے کہ یقینی طور پر ابوبکر وہ پھلے آدمی نہیں ہیں جنھوں نے نماز پڑھی ہے۔

6۔ ابن اثیر سقیفہ کے واقعات کے بارے میں لکھتا ہے کہ ابوبکر نے کہا کہ میں اس بات پر راضی ہوں کہ تم عمر یا ابوعبیدہ میں سے کسی ایک کی بیعت کرلو تو ایسے میں تمام یا بعض انصار نے کہا کہ ہم حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کسی اور کی بیعت نہیں کریں گے [213]، یہ مطلب اس چیز کو ثابت کرتا ہے کہ انصار حضرت علی علیہ السلام سے زیادہ کسی کو اس امر کا سزاوار نہیں سمجھتے

تھے اور شیخین کی طرف کسی قسم کی کوئی خاص رغبت نہیں رکھتے تھے اور اگر شیخین بیعت کے معاملے میں جلدی نہ کرتے تو حالات کی نوعیت کچھ اور ہوتی جس کی طرف عمر نے اپنے خطبہ میں اشارہ بھی کیا ہے۔

7۔ بہت سے شواھد موجودہیں کہ سعد بن عبادہ نے کسی بھی صورت ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی، ہم اس سلسلے میں بھت جلد بحث کریں گے، لٰھذا یہ دعویٰ کہ ابوبکر کی بیعت سے کسی ایک شخص نے بھی انکار نہ کیا کم از کم سعد بن عبادہ کے بارے میں صحیح نہیں ہے، اور اس بات سے صرف نظر کرتے ہیں کہ بھت سے افراد نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی اور یہ کہ سعد بن عبادہ ان میں سے ایک تھا، لٰھذا وہ روایت جو اعتراض کرنے والے نے پیش کی ہے کہ سعد بن عبادہ نے ابوبکر کی اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے کہ "حکومت قریش میں ہونی چاھیے" ان کی بیعت کرلی تھی، مرسلہ ہونے کے ساتھ ساتھ حقیقت سے بالکل دور اور محض جھوٹ ہے۔

8۔ مسعودی مختصر مگر واضح طور پر سقیفہ کے واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے "فکانت بینہ و بین من حضر من المهاجرین فی السقیفة منازعة طویلة و خطوب عظیمة" (214) یعنی اس کے اور سقیفہ میں حاضر بعض مھاجرین کے درمیان کافی دیر تک لڑائی جھگڑا اور تلخ کلامی ہوتی رہی۔ ان تمام دلیلوں اور شواھد کی روشنی میں اب اس بے بنیاد دعوے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ جس میں کہا گیا ہے کہ تمام انصار ابوبکر کے سامنے تسلیم ہوگئے تھے اور بڑے تعجب کی بات ہے کہ کیا اعتراض کرنے والے نے ان تمام شواھد اور دلیلوں کو نہیں دیکھا؟ یا یہ کہ تعصب کی بنا پر ان حقائق سے انھوں نے اپنی آنکھیں بالکل بند کرلیں اسی لئے انھیں بالکل نظر انداز کردیا ہے!

چوتھا اعتراض؛ واقعہ سقیفہ کے وقت حضرت علی علیہ السلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل میں مشغول نہ تھے

"ابو مخنف کی روایت کچھ مطالب کے بیان کرنے میں دوسرے اکثر مصادر و مآخذ سے تعارض رکھتی ہے (مثال کے طور پر) ابو مخنف کی روایت میں ہے کہ جب عمر کو (انصار کے سقیفہ میں جمع ہونے کی) خبر ملی تو وہ سیدھے وھاں سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر گئے جھاں ابوبکر موجود تھے اور حضرت علی علیہ السلام مکمل توجہ کے ساتھ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجھیز و تکفین میں مصروف تھے یہ خبر اس خبر صحیح سے تعارض رکھتی ہے جو یہ بیان کرتی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجھیز و تکفین منگل کے دن شروع ہوئی جب کہ واقعہ سقیفہ پیر کے دن رونما ہوا۔ اور اسی طرح مالک اور دوسرے افراد سے جو روایت نقل ہوئی ہے کہ اس میں یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے جناب فاطمہ علیہا السلام کے گھر گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی نیز ابن اسحاق کا کھنا ہے کہ جب ابوبکر کی بیعت ہوگئی تو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجھیز و تکفین کے لئے آئے اور اسی بات کو طبری نے ذکر کیا ہے اور ابن کثیر نے پانچ مقام پر یہ کہا ہے اور ابن اثیر نے بھی اسی کو نقل کیا ہے۔" (215)

جواب۔

یہ اعتراض، جو ایک خاص اور اصلی نکتہ کی طرف اشارہ کرتا ہے وہ یہ کہ حضرت علی علیہ السلام پیر کے دن جس دن واقعۂ سقیفہ پیش آیا پیغمبر اسلام ﷺ کے غسل و کفن میں مصروف نہ تھے، اس لئے کہ پھلی بات تو یہ کہ صحیح روایات کا کھنا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین منگل کے دن شروع ہوئی اور دوسری روایات یہ بتاتی ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام جناب فاطمہ ؑ کے گھر میں گوشہ نشین تھے۔

در حقیقت یہ اعتراض بالکل بے بنیاد اور حقیقت سے بھت دور ہے اور اس کی دونوں دلیلیں باطل ہیں اس سے پھلے کہ ہم اس اعتراض کی دونوں دلیلوں کے بارے میں بحث کریں اس نکتہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر پیغمبر اسلام ﷺ کی تجہیز و تکفین سے مراد ان کا غسل و کفن ہے تو یقینی طور پر اس کام کو حضرت علی ؑ ہی نے انجام دیا تھا جس میں جناب عباس بن عبدالمطلب، فضل بن عباس اور چند خاص افراد نے آپ کی مدد کی تھی، اگرچہ یہ بات اتنی واضح ہے کہ جس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں لیکن نمونہ کے طور پر چند مقام کو بیان کرتے ہیں۔

1۔ ابن هشام نے "السیرۃ النبویہ"[216] میں واضح طور پر کہا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کو حضرت علی ؑ نے غسل دیا۔

2۔ بلاذری نے "انساب الاشراف"[217] میں بھت سی روایات ذکر کی ہیں اور تمام روایتیں اس بات کو بیان کرتی ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے ہی پیغمبر کو غسل دیا تھا اور اسی طرح ایک روایت (جو ابو مخنف کی روایت کی تائید کرتی ہے) وہ ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جب علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور عباس، پیغمبر ﷺ کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے تو دو آدمی آئے اور ابوبکر کو سقیفہ کی کاروائی کی اطلاع دی[218]۔

3۔ ابن جوزی نے "المنتظم"[219] میں پیغمبر اسلام ﷺ کے غسل کی جزئیات کو مکمل تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جسے حضرت علی علیہ السلام نے انجام دیا تھا۔

4۔ یعقوبی[220] نے بھی عتبہ بن ابی لھب کا حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں یہ شعر نقل کیا ہے "ومن لہ جبرئیل عون لہ فی الغسل والکفن" یعنی حضرت علی علیہ السلام وہ ہیں کہ پیغمبر ﷺ کے غسل و کفن میں جبرئیل ان کے مددگار تھے۔

5۔ ابن اثیر نے بھی پیغمبر ﷺ کے غسل دینے والوں میں حضرت علی علیہ السلام، عباس، فضل، قثم، اسامہ بن زید اور شقر ان کا نام لیا ہے[221]۔

لهٰذا اس بات میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے ہی خاص افراد کے ساتھ مل کر پیغمبر ﷺ کو غسل دیا تھا۔

لھذا یہ بات یقین سے کھی جاسکتی ہے کہ خود معترض اور ہر وہ محقق جو تاریخ کے بارے میں ذرا بھی معلومات رکھتا ہو وہ اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا، اب اس نکتہ کی طرف توجہ کے بعد اعتراض کرنے والے کی دونوں دلیلوں کے بارے میں بحث و تبصرہ کرتے ہوئے ان کا حال معلوم کرتے ہیں۔

پھلی دلیل: اعتراض کرنے والے کا کھنا ہے کہ صحیح روایات کے مطابق پیغمبر ﷺ کی تجھیز و تکفین منگل کے دن شروع ہوئی، لھذا ابو مخنف کی روایت میں جو یہ بات موجود ہے کہ سقیفہ کے دن جو پیر کا دن تھا حضرت علی علیہ السلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجھیز و تکفین میں مشغول تھے یہ بھت سی روایات سے تعارض رکھنے کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہے۔

لیکن جب ہم نے معترض کے کلام کے ثبوت میں حاشیے پردئے گئے ان کے حوالوں کے مطابق سیرۂ ابن ھشام کی طرف رجوع کیا تو وھاں اس قسم کی کوئی روایت موجود نہ تھی کہ جو یہ بیان کر رہی ہو کہ پیغمبر ﷺ کی تجھیز و تکفین منگل کے دن شروع ہوئی بلکہ ابن ھشام نے ایک جگہ یہ کہا ہے (222) کہ "لوگ ابوبکر کی بیعت کے بعد منگل کے دن رسول خدا ﷺ کی تجھیز و تدفین کے لئے گئے" یہ وھی مضمون ہے کہ جسے معترض نے ابن اسحاق سے بھی نقل کیا ہے جس کی عربی عبارت یہ ہے۔ "لما بویع ابوبکر اقبل الناس علی جھاز رسول اللہ یو الثلاثا، طبری اور دوسرے افراد نے بھی اسی قسم کا مضمون نقل کیا ہے۔

یہ جملہ معترض کے دعوے کے برعکس یہ بیان کرتا ہے کہ لوگ ابوبکر کی بیعت کے بعد منگل کے دن تجھیز پیغمبر ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے لئے پھنچے اور اس میں اس بات کا ذکر نہیں ہے

کہ پھنچنے کے بعد انھوں نے کیا کیا، جو شخص کچھ بھی سمجھدار ہوگا وہ بآسانی جان لے گا کہ معترض کے جملے "پیغمبر ﷺ کی تجھیز و تکفین منگل کے دن شروع ہوئی" اور ابن اسحاق، ابن ھشام اور دوسرے افراد کے اس جملے میں "لوگ ابوبکر کی بیعت کے بعد منگل کے دن پیغمبر ﷺ کی تجھیز و تکفین کے لئے پھنچے" میں کس قدر فرق ہے اور یہ نھایت افسوس کی بات ہے! (کہ مطلب کو موڑ توڑ کے پیش کیا گیا) اب روایت کے مضمون کی روشنی میں یہ بیان کرتے ہیں کہ روایت جو چیز بیان کرتی ہے وہ یہ ہے کہ لوگ ابوبکر کی بیعت کے بعد منگل کے دن پیغمبر ﷺ کی تجھیز و تکفین کے لئے پھنچے، لیکن اس چیز کو بیان نہیں کرتی کہ لوگ کس حد تک تجھیز و تکفین میں حصہ لے سکے، اب جب کہ یہ بات روشن ہے کہ پیغمبر ﷺ کو حضرت علی علیہ السلام نے غسل دیا تھا تو اس سے کھاں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر ﷺ کی تجھیز و تکفین میں کوتاھی سے کام لیا اور اسے بعد کے لئے ٹال دیا؟ اور یہ کہ لوگوں کا منگل کے دن پیغمر ﷺ کی تجھیز و تکفین کی طرف متوجہ ہونا کس طرح اس بات پر دلیل بن سکتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام پیر کے دن پیغمبر ﷺ کی تجھیز و تکفین سے فارغ نہیں ہوئے تھے۔

اس کے علاوہ اگر دوسرے افراد پیغمبر ﷺ کی تجھیز و تکفین سے زیادہ اہم کام میں مصروف تھے یعنی وہ سقیفہ میں حکومت کے لئے ایک دوسرے سے زور آزمائی کر رہے تھے تو حضرت علی علیہ السلام کسی بھی کام کو پیغمبر اسلام ﷺ کی تجھیز و تکفین پر ترجیح

نہیں دے رہے تھے، پھر آخر کس وجہ سے وہ اس کام میں تاخیر کرتے؟ اور یہ ایسی چیز ہے کہ جسے بعض روایات سے بآسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ جب بعض انصار نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ اگر آپ ابوبکر سے پھلے بیعت کا مطالبہ کرتے تو کوئی بھی شخص آپ کے بارے میں اختلاف نہ کرتا تو حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم لوگ یہ کھنا چاھتے ہو کہ میں حکومت حاصل کرنے کے لئے پیغمبر اسلام ﷺ کے جنازے کو اسی حالت میں چھوڑ دیتا؟! [223] اور جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ جب عمر اور ان کے دوست و احباب حضرت علی علیہ السلام سے بیعت طلب کرنے کے لئے جناب فاطمہ علیہا السلام کے دروازے پر آئے تو انھوں نے دروازے کے پیچھے سے عمر کو خطاب کرتے ہوئے کھا:

"ترکتم رسول الله جنازة بین ایدینا وقطعتم امرکم بینکم" [224] یعنی رسول خدا ﷺ کے جنازے کو ہمارے سامنے چھوڑ کر تم نے اپنا کام کر دکھایا، یہاں ہم اس بات سے صرف نظر کرتے ہیں کہ اس وقت خاندان رسالت پر کیا گذر رہی تھی۔

بعض مورخین کی عبارتیں بھی اسی امر کی تائید کرتی ہیں جیسا کہ مسعودی اس بارے میں کھتا ہے کہ "جب بعض افراد سقیفہ میں نزاع میں مشغول تھے تو حضرت علی علیہ السلام، عباس اور بعض دوسرے مھاجرین پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین کر رہے تھے" [225]، نیز ابن ھشام کا کھنا ہے "جب ابوبکر کو سقیفہ کی کاروائی کی اطلاع دی تو اس وقت تک پیغمبر اسلام ﷺ کی تجہیز مکمل نہ ہوئی تھی"، اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ تجہیز شروع تو ہوچکی تھی مگر مکمل نہ ہوئی تھی [226]، یہ بیان ابن ھشام کی ایک نقل کی بنا پر تھا جب کہ وہ دوسری جگہ کھتا ہے "فلما فرغ من جھاز رسول الله یوم الثلاثاء" [227] یعنی جب منگل کے دن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین مکمل ہوئی ۔ ۔ ۔، یہ عبارت بھی اعتراض کرنے والے کے دعوے کے مضمون سے مطابقت نہیں رکھتی اس لئے کہ اس عبارت میں کہا گیا ہے کہ پیغمبر ﷺ کی تجہیز و تکفین منگل کے دن مکمل ہوئی جب کہ معترض کا کھنا تھا کہ پیغمبر ﷺ کی تجہیز و تکفین منگل کے دن شروع ہوئی، ان دو عبارتوں کا فرق واضح ہے اور نہ فقط یہ کہ ایک معنی میں نہیں بلکہ ممکن ہے کہ یہ آپس میں ایک دوسرے کے معارض بھی ہوں اور عجیب بات یہ ہے کہ اعتراض کرنے والے نے ایسا مکمل واضح اور روشن بیان ہونے کے باوجود ابن ھشام کی اسی عبارت کا حوالہ دیا ہے جب کہ اگر پھلی عبارت کا حوالہ دیتا تو شاید کچھ بات بھی بنتی۔

ان تمام باتوں کے علاوہ ابن اسحاق اور ابن ھشام کی عبارتیں بنیادی طور پر آپس میں ایک دوسرے سے معارض ہیں اور وہ روایات یہ ہیں جو یہ بیان کرتی ہیں کہ "پیغمبر ﷺ اسی دن عصر کے وقت یا منگل کی شب کو دفن ہوئے" اگر ان روایات کو قبول کرلیا جائے تو پھر ابن ھشام کی یہ روایت جس میں کہا گیا ہے کہ "پیغمبر ﷺ کی تجہیز و تکفین منگل کے دن مکمل ہوئی" شاید اور سند کے طور پر پیش نہیں کی جاسکتی اس لئے کہ پیغمبر ﷺ اس سے پھلے دفن ہوچکے تھے۔

البتہ یہ کہ پیغمبر ﷺ کس دن دفن ہوئے اس بارے میں روایات اور اقوال بھت ہی زیادہ مختلف ہیں جس کی وجہ سے یقینی طور پر کسی نتیجہ تک پھنچنا بھت مشکل ہے البتہ بعض قرائن اور شواھد کی بناء پر بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دی جا سکتی ہے، شیخ مفید نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفن ہونے کا وقت وھی پیر کا دن بیان کیا ہے [228] بعض روایات میں پیغمبر ﷺ کی تدفین کا دن منگل کہا گیا ہے جیسے عائشہ کی روایت، وہ کھتی ہیں کہ "ہم رسول ﷺ کے دفن سے اس وقت آگاہ ہوئے جب منگل کی رات، وقت سحر بیلچوں کی آوازیں سنیں" [229]، بعض دیگر افراد نے بھی پیغمبر ﷺ کی تدفین کا دن منگل ہی بتاتی ہے، جیسے کہ ابن اثیر [230] نے اور بعض نے بدھ کے دن کو بھی پیغمبر ﷺ کی تدفین کا دن کہا ہے [231]

ہماری نگاہ میں یہ قول کہ پیغمبر اسلام ﷺ اسی پیر کے روز یا منگل کی شب کو دفن ہوئے دوسرے اقوال پر زیادہ ترجیح رکھتا ہے اس لئے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے پیر کے روز میں وفات پائی [232] اور حضرت علی علیہ السلام نے بغیر کسی تاخیر کے اپنے احباب کے ساتھ مل کر آپ کو غسل و کفن دیا، اس کے بعد آپ نے انفرادی طور پر آنحضرت کی نماز جنازہ ادا کی [233] حضرت علی علیہ السلام کے بعد آپ کے تمام دوست احباب اور اصحاب سب ہی نے ایک ایک کر کے نماز جنازہ پڑھی [234] پھر حضرت علی علیہ السلام نے ان ہی افراد کی مدد سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس کو سپرد خاک کردیا [235] اور تدفین کے بعد جناب فاطمہ علیہا السلام کے گھر تشریف لائے اور خلافت کے غصب ہوجانے پر احتجاجاً گوشہ نشین ہوگئے اور پھر گھر سے باھر نہ آئے [236] اس کے بعد انصار اور مھاجرین میں سے بھی بعض صحابہ سقیفہ کی کاروائی پر اعتراض کے سلسلے میں جناب فاطمہ علیہا السلام کے گھر میں گوشہ نشین ہوگئے [237]، منگل کے دن ابوبکر کی عام بیعت کے [238] بعد ابوبکر کے فرمان کے مطابق عمر چند سپاھیوں کے ہمراہ جناب فاطمہ علیہا السلام کے دروازے پر آئے [239] تاکہ جس طرح بھی ممکن ہوسکے ان افراد سے ابوبکر کی بیعت لی جا سکے جو جناب فاطمہ علیہا السلام کے گھر میں گوشہ نشین ہیں [240]۔

جو بات مسلم ہے وہ یہ کہ حضرت علی علیہ السلام اور بنی ھاشم نیز پیغمبر اسلام ﷺ کے بعض صحابہ نے حضرت علی علیہ السلام کی اتباع کرتے ہوئے ابوبکر کی بیعت کرنے سے انکار کردیا [241] لیکن عمر نے دہمکی دی کہ اگر بیعت نہ کی تو گھر کو آگ لگادی جائے گی [242] ایسے میں بعض نے عمر سے کہا کہ اس گھر میں تو جناب فاطمہ علیہا السلام ہیں، عمر نے کہا کہ چاھے جناب فاطمہ ہی کیوں نہ ہوں [243]، بعض تاریخی کتابوں میں یہ بات ملتی ہے کہ عمر کی دہمکی کے بعد جناب فاطمہ علیہا السلام نے گھر میں موجود افراد کو عمر کی دہمکی سے آگاہ کرتے ہوئے انھیں اس بات پر راضی کیا کہ وہ گھر سے باھر چلے جائیں، لھٰذا انھوں نے ایسا ہی کیا اور جا کر ابوبکر کی بیعت کرلی [244] لیکن اس بات کے پیش نظر کہ گوشہ نشین افراد کی اکثریت بنی ھاشم پر مشتمل تھی اور بنی ھاشم نے اس وقت تک بیعت نہ کی [245] جب تک کہ حضرت علی علیہ السلام نے بیعت نہ کی اور اکثر مورخین کا کھنا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے جب تک حضرت فاطمہ علیہا السلام زندہ رہیں بیعت نہ کی [246] لھٰذا یہ بات یقین سے کھی جا سکتی ہے کہ عمر نے اپنی دہمکی کو عملی کر دکھایا [247] اور

حضرت علی علیہ السلام کو زبردستی مسجد تک کھینچتے ہوئے لائے اور دہمکی دی کہ اگر بیعت نہ کی تو انھیں قتل کردیا جائے گا [248]، لیکن جناب فاطمہ ؑ کی طرف سے حضرت علی علیہ السلام کی زبردست حمایت کی وجہ سے ابوبکر، حضرت علی علیہ السلام کو مجبور نہ کرسکے [249]، حضرت علی ؑ جب وهاں سے باهر آئے تو سیدھے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر پر گئے [250]۔

اس واقعہ کو ذکر کرنے کا مقصد یہ تھا کہ تاریخ کی کتابوں نے دقیق طور پر اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ یہ واقعہ کس دن پیش آیا اور معمولاً اسے سقیفہ کے بعد ذکر کیا ہے، اب اگر یہ تمام واقعات منگل کے دن ہوئے ہیں اور حضرت علی علیہ السلام مسجد سے باهر آنے کے بعد سیدھے پیغمبر ﷺ کی قبر پر گئے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پیغمبر ﷺ یقینی طور پر منگل سے پهلے دفن ہوچکے تھے، تو اب شیخ مفید کے بقول یا تو آپ ﷺ اسی روز یعنی پیر کے دن دفن ہوئے یا پھر جناب عائشہ کی روایت کے بقول آپ منگل کے دن دفن ہوئے البتہ یعقوبی [251] کے کهنے کے مطابق آپ کی وفات (نومبر یا دسمبر) میں ہوئی اور اس زمانے میں دن چھوٹے ہوتے ہیں اور پیغمبر ﷺ کی وفات وسط روز میں ہوئی ہے تو منگل کی شب دفن ہونے والا قول زیادہ قوی محسوس ہوتا ہے بھر حال دونوں اقوال میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔

پهلے اعتراض کے جواب میں اس وضاحت کے بعد اس اعتراض کا جواب بھی روشن ہوجاتا ہے کہ "جناب علی علیہ السلام جناب فاطمہ ؑ کے گھر میں گوشہ نشین تھے" اس لئے کہ ہم نے یہ ثابت کردیا کہ حضرت علی علیہ السلام تجہیز و تکفین کے بعد جناب فاطمہ ؑ کے گھر گوشہ نشین ہوئے تھے اور آپ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل و کفن میں کسی بھی قسم کی تاخیر اور کوتاهی نہیں کی تھی اور اس سلسلے میں ہم نے بهت سے شواهد آپ کے سامنے پیش کردئے۔

اب ہم اعتراض کرنے والوں سے سوال کرتے ہیں کہ آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ حضرت علی علیہ السلام پیغمبر ﷺ کے غسل و کفن اور دفن سے پهلے ہی جناب فاطمہ ؑ کے گھر میں گوشہ نشین ہوگئے تھے، اب چاهے وہ کسی بھی وجہ سے ہو، چاهے ابوبکر کی بیعت پر اعتراض کے سلسلے میں یا بعض روایات [252] کے مطابق قرآن کی جمع آوری کے سلسلے میں تو پھر ایسے میں پیغمبر ﷺ کو کس نے غسل دیا؟!

جو چیز مسلم و ثابت ہے وہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کو حضرت علی علیہ السلام نے غسل و کفن دیا اور دفن کیا اب اگر پیغمبر ﷺ کے غسل سے پهلے ہی آپ ابوبکر کی بیعت پر اعتراض کی وجہ سے جناب فاطمہ ؑ کے گھر گوشہ نشین تھے تو مشهور یہ ہے کہ جناب فاطمہ ؑ کی وفات تک آپ نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی تو ذرا سوچئے کہ اس وقت تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ پر کیا گذری ہوگی؟ کیا اس وقت تک غسل و کفن اور دفن انجام نہ پایا تھا اور اگر یہ سب کام ہوچکا تھا تو پھر اسے کس نے انجام دیا تھا؟

173. کتاب مرویات ابی مخنف فی تاریخ الطبری، یہ کتاب "یحیٰ بن ابراھیم بن علی یحییٰ" نے ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری کے زیر نظر لکھی اور 1410 ہجری قمری میں دار العاصمہ ریاض میں چھپی ہے۔

174. ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابی مخنف کی روایت پر کئے گئے اعتراضات در حقیقت ایک خاص راوی کے بارے میں ایک خاص شخص کے اعتراض نہیں ہیں بلکہ یہ اہل سنت کے ایک خاص گروہ کا کام ہے جو ہمیشہ اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ شیعوں کے ہر نظریہ کو کمزور قرار دیا جائے اور کیونکہ اہل تشیع کی اکثر تاریخی روایات کا تعلق ابو مخنف سے ہے لھذا ابو مخنف کی روایات کو ضعیف ثابت کر کے وہ اپنے مقصد تک پھنچنا چاھتے ہیں۔

176. الامامۃ والسیاسۃ: ج1 ص21

177. السقیفہ و فدک جوھری: ص54، شرح نھج البلاغہ ابن ابی الحدید ج6 ص5

178. الکامل فی التاریخ: ج2 ص12۔

180. کتاب المجروحین: ج2 ص91 (وہ ایک غالی شیعہ ہیں)

182. معجم الادباء: ج6 ص2779۔

183. مسند احمد بن حنبل: ج1ص 198 (حدیث 18)

184. منھاج السنۃ: ج1 ص536

185. مرویات اَبی مخنف فی تاریخ الطبری: ص166

186. الکتاب المصنف: ج7 ص433 (حدیث 40، 380)

188. الطبقات الکبریٰ: ج3 ص182۔

190. مرویات ابی مخنف فی تاریخ الطبری: ص9۔

191. الکامل فی ضعفاء الرجال: ص241 " و انما لہ من الاخبار المکروہ الذی لا استحب ذکرہ"

192. الکامل فی التاریخ: ج2 ص12۔

193. تھذیب الکمال: ج1 ص3۔ 492

194. الجرح و التعدیل: ج4 ص56۔

195. سیرہ اعلام النبلاء: ج1 ص4۔ 583

197. تاریخ طبری: ج2 ص203۔ 403، السیرۃ النبوۃ: ابن ھشام ج4 ص309، الکامل فی التاریخ: ج2 ص11، انساب الاشراف ج2 ص767، المنتظم: ج4 ص64، صحیح البخاری ج4 ص345 (حدیث 6830)، مسند احمد بن حنبل: ج1 ص449 (حدیث391)

198. سقیفہ سے متعلق عمر کا خطبہ۔

199. انساب الاشراف: ج2 ص766۔

202. مسند احمد بن حنبل: ج1ص198

203. الطبقات الکبريٰ: ج3 ص567۔ (حباب بن منذر کی سوانح حیات میں)

205. مرویات ابی مخنف فی تاریخ الطبری: 116۔

206. ممکن ہے کہ کوئی یہ کھے کہ اس حدیث کو ابوبکر اور سعد بن عبادہ نے سنا ہوگا اور دوسرے افراد اس سے بے خبر تھے تو ہم جواب میں کھیں گے کہ ھرگز ایسا نہ تھا، اس لئے کہ پھلی بات تو یہ کہ اگر اس حدیث پر عمل کرنا سب پر لازم تھا تو پیغمبر (ص.نے اس حکم کو سب کے لئے کیوں بیان نہ کیا، دوسری بات یہ کہ اگر سعد بن عبادہ اس بات کو جانتے تھے تو پھر سقیفہ میں کیوں حکومت حاصل کرنا چاھتے تھے؟ تیسری بات یہ کہ آخر سعد بن عبادہ نے ابوبکر سے پھلے ہی اس حدیث کو لوگوں کے سامنے کیوں نہ بیان کیا؟ مختصر یہ کہ اس قسم کا دعوي در حقیقت پیغمبر اسلام (ص.پر اپنی رسالت کے سلسلے میں کوتاھی کرنے کی تہمت اور بعض صحابہ کی توھین ہے کہ وہ ریاست طلب تھے اور وہ بھی ان لوگوں کی طرف سے جو توھین صحابہ کو توھین پیغمبر (ص. سمجھتے ہوں۔

207. مسند احمد بن حنبل: ج1 ص282 (حدیث 133)

208. مسند احمد بن حنبل: ج1 ص198۔

209. مرویات اَبی مخنف فی تاریخ الطبری: ص115،) ھیثمی نے مجمع الزوائد میں اسے نقل کرتے ہوئے اس کی سند کے ایک راوی کو ضعیف کہا ہے)

210. الکتاب المصنف: ج7 ص433 (حدیث 40، 37)

211. "فقالوا: نخاف الاثرہ"

212. الطبقات الکبريٰ: ج3 ص182۔

213. الکامل فی التاریخ: ج2 ص10۔ تاریخ الطبری: ج3 ص202

214. التنبیہ والاشراف: ص247

216. السیرۃ النبویہ: ج4 ص312

217. انساب الاشراف: ج2 ص747، 748، 752، 764

219. ج4 ص44، 45، 29

220. تاریخ یعقوبی: ج2 ص124

222. السیرۃ النبویہ: ج4 ص312۔

223. السقیفہ وفدک: ص615، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج6 ص13، الامامۃ والسیاسۃ: ص30۔

224. الامامۃ والسیاسۃ: ص30۔

225. التنبیہ والاشراف: ص247۔

226. السیرۃ النبویہ: ج4 ص307۔

227. السیرۃ النبویہ: ج4 ص314۔

228. الارشاد؛ ج1 ص198 "وکان ذلک فی یوم الاثنین" اور اس کے ذیل میں فرماتے ہیں "جب ابوبکر کی بیعت ہوچکی تو ایک شخص امیر المومنین علیہ السلام کے پاس آیا اس وقت آپ پیغمبر اسلام (ص)کی قبر بنانے میں مصروف تھے، اس نے امیر المومنین (ع.سے کہا کہ لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کی ہے"

229. المنتظم: ج4 ص49؛ الطبقات الكبرى: ج2 ص305 (البتہ جناب عائشہ سے ایک اور روایت بھی نقل ہوئی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ آپ کی تدفین شب بدھ کو ہوئی)

230. الکامل فی التاریخ: ج2 ص15۔

232. جیسا کہ ابو مخنف کی روایت میں تھا اور ہم نے اسے حصہ سوم میں ثابت بھی کیا تھا۔

233. الارشاد: ج1 ص187۔ انساب الاشراف: ج2 ص755۔ الطبقات الكبرى: ج2ص9، 288۔

234. الارشاد: ج1 ص187۔

235. المنتظم: ج4 ص49، انساب الاشراف: ج2 ص757، تاریخ الطبری: ج3 ص213 (ابن اسحاق کی نقل کے مطابق)

236. انساب الاشراف: ج2 ص769 (اَبی نضرہ سے)

237. تاریخ یعقوبی: ج2 ص124۔

238. تاریخ خلیفہ بن خیاط: ص62۔ مروج الذھب: ج2 ص301۔ المنتظم: ج4 ص64 نقل از ابن اسحاق۔

239. السقیفہ و فدک: ص50، 60۔

241. تاریخ یعقوبی: ج2 ص124۔ مروج الذھب: ج2 ص301۔ الکامل فی التاریخ: ج2 ص14 نقل از زھری۔

242. انساب الاشراف: ج2 ص770۔ الامامۃ والسیاسۃ: ص30۔ تاریخ الطبری: ج3 ص202۔

243. الامامۃ والسیاسۃ: ص30۔

244. السقیفہ و فدک: ص38۔

245. مروج الذھب: ج2 ص301۔ الکامل فی التاریخ: ج2 ص14 نقل از زھری

246. انساب الاشراف: ج2 ص770۔ مدائنی نے جناب عائشہ سے نقل کیا ہے۔ مروج الذھب: ج2 ص301، 302۔ الکامل فی التاریخ: ج2 ص10 اور 14۔

247. اس احتمال کی تائید میں بهت سی روایات بهی موجود ہیں جس کے لئے کتاب "مآساۃ الزہرا" علامہ جعفر مرتضیٰ عاملی کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

248. الامامۃ والسیاسۃ: ص30

249. الاماۃ والسیاسۃ: ص31

251. تاریخ یعقوبی: ج2 ص113

252. انساب الاشراف: ج2 ص770۔ السقیفہ و فدک: ص64۔

پانچواں اعتراض؛ ابو مخنف نے بعض افراد کے نام ذکر کئے ہیں جو دوسرے راویوں نے بیان نہیں کئے ہیں

ابو مخنف نے اپنی روایات میں بعض ایسے افراد کے نام ذکر کئے ہیں جن کا نام دوسرے راویوں نے ذکر نہیں کیا جیسا کہ انہوں نے ان دو آدمیوں میں سے جنہوں نے راستے میں ابوبکر اور عمر سے ملاقات کی ایک کا نام عاصم بن عدی بتایا ہے جب کہ صحیح یہ ہے کہ ان میں سے ایک کا نام "معن بن عدی" تھا (نہ عاصم بن عدی) [253]

جواب

۔ جیسا کہ ابو مخنف نے اپنی روایت اور عمر نے اپنے خطبہ میں بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب ابوبکر، عمر اور ابوعبیدہ جراح سقیفہ جارہے تھے تو دو آدمیوں سے ان کی ملاقات ہوئی جنہوں نے ان حضرات کو سقیفہ میں جانے سے روکا مگر ابوبکر، عمر اور ابوعبیدہ ان دونوں کی باتوں کی پروا کئے بغیر سقیفہ روانہ ہوگئے۔

اب وہ دو آدمی کون تھے؟ عمر نے اپنے خطبہ [254] میں ان دونوں کا نام ذکر نہیں کیا بلکہ فقط اتنا کہا ہے کہ راستے میں دو نیک و صالح افراد سے ملاقات ہوئی جب کہ ابو مخنف کی روایت میں ان دو افراد کے نام ذکر کئے گئے ہیں کہ ان میں سے ایک "عویم بن ساعدہ" اور دوسرا شخص "عاصم بن عدی" تھا۔ مآخذ و منابع میں تحقیق اور جستجو کے بعد یہ پتہ چلا کہ ان دو آدمیوں میں سے ایک شخص یقینی طور پر "عویم بن ساعدہ" تھا جب کہ دوسرے شخص کو معمولاً "معن بن عدی" کہا گیا ہے اور فقط ابو مخنف نے اس کا نام "عاصم بن عدی" بتایا ہے لٰھذا اس اعتبار سے ابو مخنف کی روایت باقی راویوں کی روایت سے تعارض رکھتی ہے، اور کیونکہ اکثر تاریخ اور احادیث کی کتابوں نے اس کا نام "معن بن عدی" بتایا ہے اس لئے یہ قول ترجیح رکھتا ہے لٰھذا یہ اعتراض اس اعتبار سے بجا ہے لیکن بعض روایات میں یہ بات ذکر ہے کہ سقیفہ میں انصار کے اجتماع کی خبر جس شخص نے ابوبکر اور عمر کو دی وہ معن بن عدی تھا [255] جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص پہلے ہی سے ابوبکر اور عمر سے مل کر انہیں سقیفہ کے اجتماع سے آگاہ کر چکا تھا، لٰھذا یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ شخص ان سے دوبارہ ملا ہو اور انہیں وہاں جانے سے روکا ہو؟!

اس بیان کے پیش نظر ابو مخنف کے کلام کو قابل قبول تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ دو آدمی ایک عویم بن ساعدہ اور دوسرا عاصم بن عدی تھا نہ معن بن عدی اس لئے کہ معن بن عدی پہلے ہی ان کے پاس آچکا تھا (واللہ العالم!)

چھٹا اعتراض؛ سقیفہ میں ابوبکر کی تقریر کے تنہا راوی ابو مخنف ہیں

"ابو مخنف کی روایت میں ابوبکر کا سقیفہ میں جو خطبہ نقل ہوا ہے وہ دوسری کسی بھی جگہ لفظی یا معنوی اعتبار سے نقل نہیں ہوا ہے" [256]۔

جواب۔

یہ بات تو کسی بھی صورت قابل تردید نہیں کہ ابوبکر نے سقیفہ میں مفصل خطبہ ضرور دیا ہے اس لئے کہ عمر کا کہنا ہے کہ میں نے پہلے ہی سے کچھ مطالب بیان کرنے کے لئے اپنے ذھن کو تیار کر رکھا تھا لیکن ابوبکر نے مجھ سے پہلے ہی خطبہ دے دیا اور مجھ سے بھی زیادہ کامل تر خطبہ دیا [257]۔

اور اسی طرح روایت احمد میں جو حمید بن عبد الرحمٰن سے نقل ہوئی ہے کہا گیا ہے کہ "فتکلم ابوبکر ولم یترک شیأً انزل فی الانصار ولا ذکره رسول الله، من شأنهم الّا و ذکره" [258] یعنی ابوبکر نے اپنی تقریر شروع کی تو جو کچھ انصار کے بارے میں قرآن میں آیا تھا اور جو کچھ رسول ﷺ نے فرمایا تھا سب کچھ کہہ ڈالا اور کوئی چیز بھی باقی نہ چھوڑی اور نیز ابن ابی شیبہ ابو اسامہ سے روایت نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ابوبکر نے انصار سے اس طرح خطاب کیا اے گروہ انصار ہم آپ لوگوں کے حق کے منکر نہیں ہیں۔۔۔ [259]

یہ تمام موارد سقیفہ میں ابوبکر کی مفصل تقریر پر دلالت کرتے ہیں لیکن روایات نے ابوبکر کی تقریر کو معنوی اعتبار سے نقل کیا اور ان کی تقریر کے کچھ ہی مطالب کے بیان پر اکتفا کیا ہے لیکن ابو مخنف کی روایت نے باریک بینی اور تفصیل کے ساتھ ابوبکر کی تقریر کو بیان کیا ہے

لھٰذا یقینی طور پر تاریخی اعتبار سے ابو مخنف کی روایت کافی اہمیت کی حامل ہے اس لئے کہ اس میں ایک واقعہ کے ان تمام پہلوؤں کا ذکر کیا گیا ہے جو اس میں پیش آئے تھے اس بنا پر ابو مخنف کی روایت کا ان تمام روایات سے موازنہ نہیں کیا جاسکتا جو نقل بہ معنی ہیں، اس کے علاوہ یہ کہ وھی خطبہ جو ابو مخنف نے سقیفہ کے بارے میں نقل کیا ہے تاریخ کی دوسری کتابوں میں بھی دیکھا جاسکتا ہے جیسے الامامۃ والسیاسۃ [260]، الکامل فی التاریخ ابن اثیر [261]، السقیفہ و فدک جوھری [262] ان تمام نے اسے مختلف اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے لھٰذا یہ دعویٰ کہ سقیفہ میں ابوبکر کی تقریر کے تنہا راوی ابو مخنف ہیں یہ بے بنیاد اور باطل ہے۔

ساتواں اعتراض؛ پیغمبر اسلام ﷺ کی ازواج سے متعلق

ابو مخنف کی روایت میں ہے کہ ابوبکر نے سقیفہ میں انصار سے خطاب کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ "و فیکم جُلة ازواجه" یعنی پیغمبر اسلام ﷺ کی اہم ازواج تم میں موجود ہیں ابوبکر کی طرف اس قسم کے بیان کی نسبت دینا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ پیغمبر ﷺ کی تمام ازواج قریش سے تھیں اور کوئی بھی معتبر سند اس چیز کو بیان نہیں کرتی کہ پیغمبر ﷺ کی کسی بیوی کا تعلق انصار سے رہا ہو [263]۔

جواب۔

پہلی بات تو یہ کہ یہ بات قابل تردید نہیں کہ پیغمبر ﷺ کی تمام ازواج کا تعلق قریش سے تھا اور انصار سے نہ تھا لیکن اس جملے کے معنی ھرگز وہ نہیں جو اعتراض کرنے والے سمجھے ہیں اور معترض کے عرب ہونے کی بنا پر یہ بات نہایت باعث تعجب اور قابل افسوس ہے کیونکہ اس جملہ کا متن یہ ہے "وجعل الیکم ھجرتہ وفیکم جُلة ازواجه واصحابه" اب اگر لفظ جلہ کو جیم پر پیش کے ساتھ پڑھا جائے تو اس جملے کے معنی اس طرح ہوں گے "خدا نے پیغمبر ﷺ کی ہجرت کو آپ لوگوں کی طرف قرار دیا اور آپ لوگوں کے درمیان اور آپ ہی کے معاشرے (مدینہ) میں پیغمبر ﷺ کی اکثر ازواج مطھرہ اور ان کے اصحاب موجود ہیں"۔ اور اگر جلہ کی جیم پر زیر دے کر پڑھا جائے تو معنی یہ ہوں گے، "اس نے پیغمبر ﷺ کی ہجرت کو آپ لوگوں کی طرف قرار دیا اور آپ کے معاشرے (مدینہ) میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج اور گرانقدر اصحاب موجود ہیں"۔

بہر حال "جلہ" کو کسی بھی طرح پڑھا جائے اس کے معنی میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہوگا اس لئے کہ بنیادی نکتہ لفظ "فیکم" کے معنی میں موجود ہے کہ جس کے معنی "آپ لوگوں کے درمیان میں ہیں" اور ھرگز اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ تم میں سے ہیں اس لئے کہ اس قسم کے معنی کے لئے کلمہ منکم سے استفادہ کیا جاتا ہے، لھٰذا یوں کہا جاتا "ومنکم جلة ازواجه واصحابه" لیکن جو چیز متن روایت میں ذکر ہے وہ یہ ہے "وفیکم جُلة ازواجه واصحابه" لھٰذا معترض کے لئے ضروری ہے کہ ایک بار پھر اچھی طرح عربی کے قواعد کو سیکھے تاکہ انہیں فیکم اور منکم کے فرق کا پتہ چل جائے۔

دوسری بات یہ کہ "الامامۃ والسیاسۃ" نیز "السقیفہ و فدک" جوھری میں یہ روایت ابو مخنف کی روایت کے الفاظ کے عین مطابق نقل ہوئی ہے اس میں یہ جملہ "و فیکم جلة ازواجه واصحابه" موجود نہیں ہے اور کتاب الکامل ابن اثیر[264] میں اس جملہ کو بریکٹ میں قرار دیا گیا ہے، اور اس کے بعد حاشیہ میں یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ جملہ ابو مخنف کی روایت میں موجود نہیں ہے اور طبری نے سیاق جملہ کے پیش نظر اس کا اضافہ کیا ہے بس اگر ایسا ہے تو یہ اعتراض بنیادی طور پر ہی مخدوش ہے اس لئے کہ یہ عبارت ابو مخنف کی نہیں ہے اور اگر یہ اعتراض صحیح ہے تو طبری پر ہے نہ کہ ابو مخنف پر۔

آٹھواں اعتراض؛ حباب بن منذر اور عمر کے درمیان نزاع سے انکار

"ابو مخنف کی روایت کے علاوہ کسی دوسری روایات میں یہ بات نہیں ملتی کہ حباب بن منذر اور عمر کے درمیان کافی دیر تک تلخ کلامی اور نزاع ہوا ہو جب کہ جو چیز روایات میں بیان ہوئی ہے وہ اس کے برعکس ہے جیسا کہ احمد کی روایت میں ذکر ہوا ہے کہ تمام انصار نے کہا کہ ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں کہ اس امر میں ابوبکر سے پیش قدمی کریں"[265]۔

جواب۔

حقیقت یہ ہے کہ حباب بن منذر اور عمر کے درمیان گفتگو بہت سی تاریخی کتابوں میں ذکر کی گئی ہے، لھٰذا بنیادی طور پر یہ بات غیر قابل انکار ہے اور اسی طرح یہ بات بھی یقینی ہے کہ "انا جُذَیلھا المحکک و عُذیقھا المرجّب منّا امیر و منکم امیر یا معشر قریش" یہ جملہ کھنے والا شخص حباب بن منذر ہے، رہی یہ بات کہ ان دونوں کے درمیان کوئی نزاع بھی ہوا تھا یا بقول معترض کہ انصار کے قبول کر لینے کے ساتھ ساتھ تمام چیزیں بخوبی انجام پاگئیں تھیں، ہم اس بحث کو روشن اور واضح کرنے کے لئے تاریخ اور احادیث کی کتابوں کے مضامین کے چند نمونے آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

1۔ الطبقات الکبریٰ میں قاسم بن محمد سے نقل ہے کہ حباب بن منذر جو جنگ بدر کے شرکاء میں سے ایک ہے کھڑا ہوگیا اور کہا کہ ایک امیر ہمارا اور ایک امیر تمہارا، حباب بن منذر کی گفتگو کے بعد عمر نے کہا: اگر ایسا ہے تو پھر مرجاؤ[266] یہ روایت حباب بن منذر کی گفتگو اور عمر کے ساتھ اس کی تلخ کلامی اور نزاع کو بیان کرتی ہے۔

2۔ جو روایات نسائی نے نقل کی ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں، انصار نے کہا کہ ایک امیر ہمارا ہو اور ایک امیر تم لوگوں کا ہوگا تو عمر نے کہا: ایک نیام میں دو تلواریں رکھنا صحیح نہیں ہیں[267]، روایت کا یہ حصہ بالکل اس مضمون جیسا ہے جسے ابو مخنف نے نقل کیا ہے بس فرق یہ ہے کہ اس روایت میں انصار میں سے جس شخص نے یہ بات کہی تھی اس کا نام نہیں لیا جب کہ ابو مخنف اور دوسرے افراد نے انصار کی طرف سے بولنے والے شخص کا نام بتایا ہے کہ وہ حباب بن منذر تھا۔

3۔ عمر نے اپنے خطبہ میں کہا ہے کہ انصار میں سے ایک شخص نے کہا کہ "میں ایک تجربہ کار شخص ہوں اور دنیا کے نشیب و فراز سے خوب واقف ہوں لھٰذا ایک امیر ہمارا اور ایک امیر تمھارا ہوگا، اے گروہ انصار! اس کے بعد اس طرح شور و غل اور ایک ھنگامہ آرائی ہوئی کہ مجھے ڈر تھا کہ کھیں اختلاف نہ ہوجائے"[268] عمر کے اس کلام کی روشنی میں انصار کی طرف سے بولنے والے شخص کے بعد اس طرح شور و غل شروع ہوا کہ عمر اختلاف پیدا ہوجانے سے خوفزدہ تھے۔

لھٰذا جیسا کہ تیسرے اعتراض کے جواب میں ہم نے عرض کیا کہ ایسا نہ تھا کہ انصار بغیر کسی چون و چرا کے ابوبکر اور عمر کے سامنے جھک گئے تھے، بلکہ یقینی طور پر کافی دیر تک بحث و مباحثہ اور تلخ کلامی کا سلسلہ چلتا تھا اور وہ روایت کہ جسے معترض نے نقل کیا ہے کہ تما انصار ابوبکر کے سامنے جھک گئے تھے (جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے) وہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہونے کے علاوہ اہل سنت کی صحیح روایت سے مکمل تعارض بھی رکھتی ہے۔

4۔ الامامۃ والسیاسۃ[269] اور سقیفہ و فدک جوھری[270] نے بھی حباب بن منذر اور عمر کے درمیان سخت گفتگو ہونے کو نقل کیا ہے اور ابن اثیر نے الکامل[271] میں اس گفتگو کے علاوہ ابو مخنف کی عین عبارت کو بھی نقل کیا ہے کہ ان دونوں نے ایک دوسرے سے کہا "خدا تجھے موت دے" الامامۃ والسیاسۃ نے اس مطلب کے علاوہ حباب بن منذر اور عمر کے درمیان پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کی دشمنی کا بھی ذکر کیا ہے۔

5- طبری نے تو سیف بن عمر کے حوالے سے یہاں تک نقل کیا ہے کہ عمر اور حباب بن منذر کے درمیان بات اتنی بڑھ گئی کہ نوبت مار پیٹ تک پہونچ گئی [272]

گذشتہ بیان کی روشنی میں نہ فقط دوسری روایات ابو مخنف کی روایت سے تعارض نہیں رکھتی ہیں بلکہ اس کی تائید کرتی ہیں، اور اگر بات تعارض کے بارے میں کی جائے تو جو کچھ تمام روایات میں بیان کیا گیا ہے وہ روایت احمد سے تعارض رکھتا ہے جسے خود معترض نے سند کے طور پر پیش کیا ہے، نہ کہ روایت ابو مخنف سے۔

نواں اعتراض؛ انصار کی طرف سے مہاجرین کو ڈرانے دھمکانے کا انکار

مہاجرین کے بزرگ افراد کو مدینہ سے باھر نکالنے سے متعلق حباب بن منذر کی گفتگو اور انہیں ڈرانا دھمکانا ان باتوں سے تعارض رکھتا ہے جو کچھ قرآن نے انصار کے بارے میں فرمایا ہے، قرآن سورہ حشر کی آیت نمبر نو میں فرماتا ہے "اور جن لوگوں نے دارالهجرت اور ایمان کو ان سے پہلے اختیار کیا تھا وہ ہجرت کرنے والے کو دوست رکھتے ہیں اور جو کچھ انہیں دیا گیا ہے اپنے دلوں میں اس کی طرف سے کوئی ضرورت نہیں محسوس کرتے ہیں اور اپنے نفس پر دوسروں کو مقدم کرتے ہیں چاہے انہیں کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو، اور جسے بھی اس کے نفس کی حرص سے بچا لیا جائے وہی لوگ نجات پانے والے ہیں" جو کچھ یہ آیت انصار کے ایثار کے بارے میں بیان کرتی ہے اسے روایت کے مطالب کے ساتھ کیسے جمع کیا جائے؟ اور کس طرح محبت و نفرت، اخوت و دشمنی ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہوسکتے ہیں؟ لہٰذا اگر کوئی شخص انصار کے ایمان اور ایثار سے اچھی طرح واقف ہو تو وہ ھرگز اس بات پر یقین نہیں کرسکتا کہ جسے ابو مخنف کی روایت نے بیان کیا ہے بلکہ وہ اسے محض جھوٹ ہی کھے گا [273]۔

جواب۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ انصار کے فضائل اور ان کے ایثار میں کسی قسم کے شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے انہوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کے ساتھ کمال محبت اور ایثار کا برتاؤ کیا ہے اور اس سے بھی انکار نہیں کہ انہوں نے یہ کام صرف خدا کی خوشنودی کے لئے کیا تھا اور یہ بات واضح ہے کہ انصار کی طرف سے مہاجرین کے ساتھ یہ محبت و ایثار خدا اور رسول ﷺ سے خالصانہ اور ان کی فرماں برداری کی بنا پر تھا۔

اب اگر انصار یہ گمان کریں کہ بعض مہاجرین ولایت و حکومت کے بارے میں وحی الھی اور پیغمبر اسلام ﷺ کی مسلسل تاکیدات سے سرپیچی کر کے حکومت پر قبضہ کرنا چاھتے ہیں اور ان کا مقصد اہل بیت علیہم السلام کو خلافت سے دور کرنا اور انصار پر غلبہ

حاصل کرنا ہے تو ایسی صورت میں نہ فقط ان کی نسبت محبت کی کوئی راہ باقی نہیں رہ جاتی ہے بلکہ اگر خدا کی خاطر ان سے بغض رکھا جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

دوسری بات یہ کہ کیا تمام انصار کا اطلاق حباب بن منذر پر ہوتا ہے؟ اسی طرح کیا تمام مہاجرین فقط وہ تین ہی افراد ہیں کہ اگر ایک انصار ایک مہاجر کے ساتھ سخت لہجہ میں بات کرے تو ہم کہیں کہ یہ چیز قرآن کی اس آیت کے خلاف ہے جس میں کہا گیا ہے کہ "انصا، مہاجرین کی نسبت دوست اور ایثار گر ہیں" لھذا اگر ایک انصاری کوئی نازیبا الفاظ ادا کرتا ہے تو اس سے دوسرے انصار کی شان و شوکت میں کوئی کمی نہیں آتی، جیسا کہ سقیفہ میں اس بات کا مشاہدہ بھی کیا گیا کہ بعض انصار نے حباب ابن مندر کی اس پیشکش کا کوئی مثبت جواب نہ دیا اسی طرح اگر بعض مہاجرین پیغمبر ﷺ کی قرابتداری کا حوالہ دے کر پیغمبر ﷺ کے جنازہ کو اسی حالت پر چھوڑ کر سقیفہ میں حکومت حاصل کرنے کی کوششوں میں لگے تھے تو اگر ایسے مہاجرین کے ساتھ اچھی طرح پیش نہ آیا جائے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ تمام مہاجرین کے بارے میں انصار کی یہی رائے ہے اور حباب بن منذر کی پوری گفتگو کا تعلق صرف سقیفہ میں موجود مہاجرین ہی سے تھا۔ اس لئے کہ وہ کہتا ہے "ولا تسمعوا مقالة هذا و اصحابه فان ابوا عليكم ما وسألتموه فاجلوهم عن هذه البلاد" [274] یعنی اس شخص (عمر) اور اس کے ساتھیوں کی گفتگو پر کان مت دھرو اور اگر انہوں نے تمہاری مرضی اور چاہت کے خلاف کوئی کام انجام دیا تو انہیں یہاں سے باہر نکال دو، اس بیان کی روشنی میں واضح ہوجاتا ہے کہ حباب بن منذر کی مراد سقیفہ میں موجود چند افراد تھے، اس لئے کہ انگلیوں پر گنے جانے والے چند افراد کے علاوہ اکثر مھاجرین وھاں موجود نہ تھے اور ان میں سے اکثر سقیفہ کی کاروائی کے مخالف تھے [275]

اور تیسری بات یہ کہ آیت کا مفہوم اور اس کی تفسیر ھرگز اس معنی میں نہیں کہ جس کا معترض نے دعویٰ کیا ہے اس لئے کہ آیت ایک تاریخی واقع کو بیان کرتی ہے جو ایک خاص زمانے میں پیش آیا ہے اور وہ تاریخی واقع یہ تھا کہ جب بعض مہاجرین نے سر زمین مدینہ کی طرف ہجرت کی تو مدینہ کے رہنے والوں نے ان کا گرم جوشی سے والھانہ استقبال کر کے ان کے لئے ایثار و قربانی کا مظاھرہ کیا اور یقینی طور پر آیت کے معنی ھرگز یہ نہیں ہیں کہ مہاجرین اور انصار میں سے کسی ایک فرد کا دوسرے کے ساتھ کسی بھی زمانے میں لڑائی جھگڑا نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ ایسے بے شمار مواقع پائے جاتے ہیں جو آیت کی نقض قرار پائیں گے، مثال کے طور پر وہ لڑائی جھگڑے جو خلفاء ثلاثہ کی حکومتوں کے دوران پیش آئے کہ جن میں ایک مسئلہ خود عثمان کے قتل کا تھا نیز حضرت علی علیہ السلام کے دور خلافت میں شدید قسم کی جنگیں ہوئیں جیسے جنگ جمل، جنگ نہروان، جنگ صفین کہ ان جنگوں میں دونوں طرف مہاجرین اور انصار کی تعداد موجود تھی اور کیا یہی مہاجرین اور انصار نہ تھے جو ان جنگوں میں ایک دوسرے کو قتل کر رہے تھے، اب اس کے بعد بھی کیا قرآن مجید کے مطابق ایسی کج فہمی کی کوئی تاویل ممکن ہے؟ یہ کتنا ضعیف اور فضول اعتراض ہے کہ جو معترض کی طرف سے کیا گیا ہے؟!

دسواں اعتراض؛ سقیفہ میں اوس و خزرج کے درمیان اختلاف سے انکار

ابو مخنف کی روایت کا ایک جملہ یہ ہے کہ قبیلہ اوس والوں کا کہنا تھا کہ اگر خزرج والے ایک مرتبہ خلافت پر آگئے تو ہمیشہ اس پر باقی رہیں گے ظاھراً اس بات کے پیش نظر قبیلہ اوس والوں کا ابوبکر کی بیعت کرنا در حقیقت خزرج والوں کی حکومت سے جان چھڑانا تھا نہ یہ کہ ان کی بیعت ابوبکر کی فضیلت یا اسلام میں سبقت کی وجہ سے تھی اور یہ چیز ان دونوں قبیلوں کے درمیان اسلام سے پہلے جیسی دشمنی کی نشاندھی کرتی ہے اور یہ کہ پیغمبر ﷺ کی تربیت، خدا کی راہ میں جان و مال سے جہاد سب کا سب عارضی اور وقتی تھا جس کا اب کوئی اثر تک باقی نہ تھا ایسا کہنا رسول خدا ﷺ اور ان کے اصحاب پر بہت بڑی تہمت لگانا ہے جب کہ صحیح روایات اس بات کو بیان کرتی ہیں کہ پیغمبر ﷺ کے تربیت شدہ افراد کے سامنے جب حکم خدا کو سنایا گیا تو ان سب نے اسے قبول کرلیا اس لئے کہ ابوبکر کے ساتھ کوئی لشکر تو نہیں تھا کہ جو وہ خوف و ہراس کی وجہ سے بیعت کرنے پر مجبور ہوگئے ہوں ۔[276]

جواب۔

پہلی بات تو یہ کہ کوئی شخص بھی انسانوں کی تربیت کے سلسلے میں پیغمبر اسلام ﷺ کی مسلسل کوششوں کا منکر نہیں ہے اور پیغمبر اسلام ﷺ حتی الامکان کوشش کرتے تھے کہ قبیلوں کے درمیان جو پرانی دشمنیاں چلی آرہی ہیں انہیں جڑ سے ختم کردیا جائے اور انہیں یہ بات سمجھائی جائے کہ کوئی قبیلہ کسی قبیلہ پر برتری اور فوقیت نہیں رکھتا اس کا معیار صرف تقویٰ الھی ہے۔ (انّ اکرم کم عند اللہ اتقاکم)[277]۔ بے شک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلے میں بے انتہا کوششیں کیں اور اپنے کار رسالت کو احسن طریقہ سے انجام دیا اور اپنی مکمل ذمہ داری ادا کی (وما علی الرسول الّا البلا غ المبین)[278]۔

لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ کیا لوگوں نے بھی ان تمام دستورات و احکام پر عمل کیا اور ان تمام تعصّبات کو مکمل طور پر ختم کردیا؟ حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی انتھک کوششوں کے نتیجہ میں قبیلوں کے درمیان شدید جنگیں تو ختم ہوگئیں مگر بحث بازی اور آپسی رقابت ختم نہ ہوئی اس لئے کہ اس زمانے میں نہ یہ کام ممکن تھا اور نہ شاید یہ مصلحت رہی ہو کہ اس رقابت کو مکمل طور سے ختم کردیا جائے، عربوں میں قوم اور قبیلہ کا تعصب اس قدر عمیق اور پرانا ہے کہ اسے اتنی جلدی ختم نہیں کیا جاسکتا تھا اور سچ بات تو یہ ہے کہ اس بات کا تعلق فقط عربوں سے ہی نہیں بلکہ عصر حاضر میں غیر عرب بھی اپنے قوم و قبیلہ اور تنظیموں کی طرف تمایل اور رغبت رکھتے ہیں اور یہ بیماری آخری دم تک انسانوں کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔

اور یہ واضح ہے کہ یہ چیز پیغمبر ﷺ کے لئے کسی بھی طرح نقص شمار نہیں ہوتی اس لئے کہ آپ کی ذمہ داری فقط تبلیغ کی تھی جسے آپ نے کما حقہ انجام دیا اب جو چاھے مومن ہوجائے جو چاھے کافر[279]۔

جیسا کہ بعض لوگوں کی گمراھی اور خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات سے ان کی سرپیچی کرنا رسول ﷺ کے لئے کوئی نقص محسوب نہیں ہوتا اسی طرح وہ لوگ جو ایمان لے آئے سب کے سب ایمان کے ایک درجہ پر نہیں تھے بعض ایمان کے بلند درجہ پر فائز تھے اور بعض ایمان کے نچلے درجہ پر ہی باقی رہے، اب ان افراد کے ایمان کا کمزور ہونا بھی پیغمبر ﷺ کے لئے کسی بھی قسم کا نقص نہیں ہے اس لئے کہ تمام افراد کی استعداد، کوششیں اور جد و جہد و امکانات ایک جیسے نہیں ہوتے، یا یوں کہا جائے کہ ہر آدمی اپنی ظرفیت کے مطابق اس دریائے بے کراں سے سیراب ہوا۔

انصار اور مہاجرین اور دوسرے اصحاب پیغمبر ﷺ بھی سب کے سب ایمان کے ایک درجہ پر فائز نہ تھے جیسے قرآن نے بھی بیان کیا ہے کہ بعض تو فقط اسلام ہی لائے تھے اور ایمان نہ رکھتے تھے اور یہ بات واضح ہے کہ وھی شخص اپنے قوم و قبیلہ کے تعصب پر قابو پاسکتا ہے کہ جو بہت ہی زیادہ ایمان ایمان اور تقویٰ کی دولت سے مالا مال ہو، اب اگر کوئی اپنے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے قبیلہ کے تعصب کو قابو میں نہیں کرسکتا تو اس کا پیغمبر ﷺ سے کیا ربط ہے اور یہ پیغمبر ﷺ کے لئے کس طرح نقص ہے؟!

اس کے علاوہ اہل سنت کی بہت سی روایات اس بات کو بیان کرتی ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد بہت سے مسلمان مرتد ہوگئے تھے، جیسا کہ جناب عائشہ کی روایت ہے آپ فرماتی ہیں "لما توفي رسول الله ارتد العرب" 280، یعنی رسول ﷺ کی رحلت کے بعد عرب مرتد ہوگئے تھے۔ اب یہ نہیں معلوم کہ مسلمانوں کا مرتد ہوجانا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے نقص شمار ہوگا یا نہیں مگر بعض لوگوں کی قبیلہ پرستی تعصب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے لئے نقص سمجھی جاتی ہے؟!

دوسری بات کہ اگر ابو مخنف کی روایت نے قبیلۂ اوس والوں کی طرف یہ نسبت دی ہے کہ وہ قبیلہ جاتی تعصب کا شکار تھے اور یہ چیز پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات پر انگلی اٹھانے کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہے اس لئے کہ پیغمبر ﷺ نے جن افراد کی تربیت کی تھی وہ تمام کے تمام ہر قسم کے تعصب سے پاک تھے۔ تو اب ایسے میں بہتر ہے کہ ہم یہاں ابوبکر کی سقیفہ میں کی جانے والی تقریر کو بیان کردیں کہ جسے اہل سنت کی صحیح روایات نے نقل کیا ہے تاکہ یہ اندازہ ہوجائے کہ اس میں انہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے کس حد تک استفادہ کیا ہے۔

عمر نے سقیفہ کے بارے میں جو معروف خطبہ دیا تھا اس میں سقیفہ کی کاروائی کے دوران ابوبکر کی تقریر کو انہوں نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ابوبکر نے کہا "ولن يعرف هذا الامر الّا لهذا الحى من قريش هم أوسط العرب نسباً و داراً" 281، یعنی یہ

عہدۂ خلافت قریش کے علاوہ کسی اور کے لئے مناسب نہیں اس لئے کہ وہ نسب اور شہر کے اعتبار سے سب پر شرف رکھتے ہیں، کیا یہ کلام قبیلہ کی برتری جتانے کو ظاہر نہیں کرتا؟ کیا قریش کا نسب اور ان کا شہر دوسروں پر برتری کا سبب بن سکتا ہے؟ مگر کیا ابوبکر پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات سے بے بہرہ تھے کہ جو قبیلے اور شہر کی برتری کی گفتگو بیچ میں لے آئے، کیا انہوں نے قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھی تھی (انّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم) ؟![282]

دوسری روایت کہ جسے ابن ابی شیبہ نے ابو اسامہ سے نقل کی ہے، وہ کھتا ہے کہ ابوبکر نے سقیفہ میں انصار سے خطاب کرتے ہوئے اس طرح کہا "ولكن لا ترضيٰ العرب ولا تقر الّا على رجل من قريش لانهم افصح الناس ألسنة وأحسن الناس وجوهاً،و واسط العرب داراً واكثر الناس سجّية"[283] "لیکن عرب راضی نہ ہونگے اور قبول نہ کریں گے جب تک کوئی شخص قریش میں سے نہ ہو اس لئے کہ وہ فصیح، خوبصورت، جگہ کے لحاظ سے صاحب شرف، نیک فطرت اور خوش مزاج لوگ ہیں" اور کیا کھیں؟ سقیفہ میں ابوبکر کی یہ گفتگو کہ جس میں قریش کی برتری کو بیان کیا جارہا ہے واضح طور پر ان کے قبیلہ جاتی تعصب کی نشاندھی کر رہی ہے جب کہ انہوں نے تقويٰ اور پرہیزگاری کی کوئی بات ہی نہیں کی، اب ایسی صورت میں ابوبکر جو بعض اہل سنت کے نزدیک بہت ہی زیادہ فضائل کے حامل ہیں بلکہ بعض نے تو یہ تک کہا ہے کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے افضل مرد ہیں جب ان کا حال یہ ہے تو اوس اور خزرج سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے کیا توقع کی جاسکتی ہے؟

معترض نے اپنے اعتراض کے آخری حصے میں بہت ہی عجیب و غریب بات کہی کہ "جب انصار نے حکم خدا کو سنا تو سب کے سب ابوبکر کے سامنے تسلیم ہوگئے"، ہم اس کا جواب دے چکے ہیں کہ کیا ابوبکر کی گفتگو کے بعد سب کے سب تسلیم ہوگئے تھے یا نہیں؟ اب رہی یہ بات کہ معترض نے ابوبکر کی تقریر کو حکم خدا بیان کرنے سے تعبیر کیا ہے، ہم معترض سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کس طرح تمام انصار میں ایک فرد بھی حکم خدا سے آگاہ نہ تھا اور صرف ابوبکر ہی حکم خدا جانتے تھے؟! کس طرح ممکن ہے کہ وہ پیغمبر ﷺ جو احکام الٰھی کے ابلاغ پر مامور تھے انہوں نے اس حکم خدا کو لوگوں کے لئے بیان نہ کیا ہو؟ اور یہ بات کہنا کہ ابوبکر حکم خدا سے باخبر تھے اور انہوں نے لوگوں کو حکم خدا سے آگاہ کیا، کیا یہ پیغمبر اسلام ﷺ پر احکام تبلیغ کے سلسلے میں کوتاھی کرنے کی تہمت نہیں ہے؟

آخر کیا بات ہے کہ حضرت علی علیہ السلام و جناب فاطمہ علیہا السلام کہ جو اہل بیت علیہم السلام وحی ہیں نیز بنی ھاشم اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے صحابہ نہ فقط یہ کہ اس حکم سے بے خبر تھے بلکہ وہ اس حکم کو قبول بھی نہیں کررہے تھے وہ حکم ابوبکر کی بیعت کرنا تھا۔

کیا واقعاً، وہ حکم جو ابوبکر نے سنایا تھا وہ حکم خدا تھا یا خود ان کا ذاتی حکم تھا؟۔

254. صحیح بخاری کے نقل کے مطابق۔

258. مسند احمد بن حنبل: ج1 ص198

259. کتاب المصنف: ج7 ص433 (حدیث 40، 37)

260. الامامۃ والسیاسۃ: ص23، 24،

261. الکامل فی التاریخ: ج2 ص13

262. السقیفہ و فدک: ص56، 57۔

264. الکامل فی التاریخ: ج2 ص13۔

266. الطبقات الکبریٰ: ج3 ص182

267. فضائل الصحابہ: ص55، 56

268. سقیفہ میں عمر کا خطبہ۔

269. الامامۃ والسیاسۃ: ص25

270. السقیفہ و فدک: ص580

271. الکامل فی التاریخ: ج2 ص13

274. سقیفہ کے بارے میں ابو مخنف کی روایت کا مضمون۔

280. السیرۃ النبویہ: ابن ھشام: ج4 ص316۔

281. سقیفہ کے بارے میں عمر کا معروف خطبہ۔

282. سورہ مبارکہ حجرات: آیت13۔

283. الکتاب المصنف: ج،7، 433۔

گیارہواں اعتراض؛ ابو عبیدہ کی تقریر کے تنہا راوی ابو مخنف ہیں

انصار سے ابو عبیدہ کا خطاب کرنا فقط ابو مخنف کی روایت میں ملتا ہے اور کسی دوسری روایت میں اس کا کہیں کوئی تذکرہ نہیں ہے [284]۔

جواب

۔ ابو عبیدہ وہ شخص ہے جو ابوبکر اور عمر کے ساتھ سقیفہ گیا اور اس کی کاروائی میں موجود تھا شروع میں ابوبکر نے لوگوں کو ابوعبیدہ اور عمر کی بیعت کرنے کی پیشکش کی اور اسی چیز سے اس جلسہ میں اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے ممکن ہے کہ اس نے بھی اس جلسہ میں تقریر کی ہو جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ جو روایات سقیفہ کی کاروائی کو بیان کرتی ہیں وہ نہایت مختصر اور نقل بہ معنی ہیں اس لئے دوسرے راویوں کا نقل نہ کرنا ابو مخنف کی مفصل روایت کے بارے میں اس کی ضعیف ہونے پر دلیل نہیں ہے، اس کے علاوہ ابو عبیدہ کے خطاب کو فقط ابو مخنف ہی نے نقل نہیں کیا بلکہ دینوری نے الامامۃ والسیاسۃ[285] میں، ابن اثیر [286] نے الکامل میں اور یعقوبی [287] نے اسے اپنی تاریخ یعقوبی میں بالکل ابو مخنف کی روایت کی طرح نقل کیا ہے۔

بارہواں اعتراض؛ سعد بن عبادہ اور عمر کے درمیان نزاع سے انکار

اس بات پر اتفاق ہے کہ عمر نے سقیفہ میں سعد بن عبادہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا "قتل اللہ سعداً" یعنی خدا سعد کو قتل کرے لیکن عمر کے اس جملہ سے مراد جیسا کہ کتاب غریب الحدیث میں ذکر ہوا ہے کہ "دفع اللہ شرّہ" یعنی خدا اس کے شر کو دفع کرے نہ یہ کہ خدا سعد کو موت دے، جب کہ ابو مخنف کی روایت عمر اور سعد بن عبادہ کے درمیان بحث و مباحثہ اور تلخ کلامی کو بیان کرتی ہے اور دوسری تمام روایات اس کے برعکس ہیں [288]۔

جواب۔

پہلی بات تو یہ کہ بہت سی تاریخ اور احادیث کی کتابوں نے واضح طور پر اس تلخ کلامی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

1۔ انساب الاشراف [289] میں روایت نقل ہوئی ہے کہ عمر نے سعد کے بارے میں کہا "اقتلوہ فانہ صاحب فتنہ" یعنی اسے قتل کردو کہ وہ فتنہ گر ہے۔

2۔ یعقوبی [290] کا کہنا ہے کہ عمر نے کہا "اقتلوا سعداً قتل اللہ سعداً" یعنی سعد کو قتل کردو، خدا سعد کو ھلاک کرے۔

3۔ عمر کے خطبہ کے سیاق و سباق سے بھی یہی معنی سمجھ میں آتے ہیں اس لئے کہ اس سے پہلے کہ عمر یہ بات کہیں لوگوں کے ازدھام کی وجہ سے سعد کے ایک قریبی فرد نے کہا کہ "کہیں سعد کچل نہ جائے" تو عمر نے یہ جملہ سننے کے بعد کہا "قتل اللّٰہ سعداً" اللہ سعد کو موت دے دے[291]۔

4۔ دینوری[292] نے بھی اس تلخ کلامی کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے "اقتلوہ (اسے قتل کردو) قتلہ اللہ (خدا اسے موت دے)" اگرچہ اس نے اس قول کے کہنے والے کے نام کو ذکر نہیں کیا لیکن یہ بات متفق علیہ ہے کہ وہ شخص عمر ہی تھے اور یہ صراحت اور وضاحت جو اس عبارت میں موجود ہے ہر قسم کی تفسیر اور تاویل کے راستہ کو بند کردیتی ہے۔

دوسری بات یہ کہ ۔ "قتل اللّٰہ سعداً" در حقیقت اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ خدا سعد کو ھلاک کرے۔ لھٰذا اگر اس جملے کے کہنے والے کی مراد اس کے حقیقی معنی نہ ہوں اور وہ اسے مجازی معنی میں استعمال کررہا ہو تو اسے دو مسئلوں کی طرف توجہ رکھنی چاھیے، ایک یہ کہ حقیقی اور مجازی معنی کے درمیان رابطہ ضروری ہے اور دوسری بات یہ کہ حقیقی معنی کو مجازی معنی میں استعمال کرنے کے لئے قرینے کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہاں پر کسی بھی قسم کا تناسب اور رابطہ حقیقی معنی اور معترض کے کلام میں نہیں پایا جاتا ہے اس لئے کہ جملہ کے حقیقی معنی ایک قسم کی بددعا ہے جب کہ معترض کے معنی اس کے برعکس ہیں جو ایک قسم کی دعا سمجھی جاتی ہے اور اسی طرح کوئی قرینہ ایسا موجود نہیں ہے کہ جو اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ کلام کے کہنے والے نے اسے مجازی معنی کے لئے استعمال کیا ہے، اس لئے کہ کسی بھی تاریخ اور حدیث کی کتاب میں قرینۂ مذکور موجود نہیں ہے اور نہیں معلوم کہ جن لوگوں نے یہ مضحکہ خیز تاویل پیش کی ہے اس لئے ان کی کیا دلیل ہے؟۔

ظاھراً معترض اور جن لوگوں نے اس تاویل کو پیش کیا ہے شاید وہ یہ سمجھتے ہیں کہ سعد بن عبادہ نے سقیفہ میں ابوبکر کی بیعت کرلی تھی اور انہوں نے کسی قسم کی کوئی مخالفت نہ کی لیکن یہ ایک نہایت ہی غلط فکر ہے اس لئے کہ تاریخ اور احادیث کی بہت سی کتابوں میں سعد بن عبادہ کی طرف سے ابوبکر اور عمر کی شدید قسم کی مخالفت نقل ہوئی ہے کہ جس کی تفصیل تیرہویں اعتراض کے جواب میں بیان کی جائے گی۔

تیرہواں اعتراض؛ سعد بن عبادہ کا ابوبکر کی بیعت نہ کرنے سے انکار

"سقیفہ کے بارے میں تمام محدثین اور مورخین نے جو روایات نقل کی ہیں ان کی روشنی میں تمام مہاجرین اور انصار کے ساتھ سعد بن عبادہ نے بھی ابوبکر کی بیعت کرلی تھی اور فقط روایت ابو مخنف میں ہے کہ سعد بن عبادہ نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی اور اس قسم کے دوسرے مسائل جیسے اس کا ان کے ساتھ نماز میں شریک نہ ہونا وغیرہ کیا سعد بن عبادہ کا ابوبکر کی بیعت کرنے یا نہ

کرنے کا ان پر کوئی اثر ممکن ہے کہ جس کی اطاعت پر امت نے اجماع کرلیا تھا؟ بہر حال کوئی صحیح روایت ایسی نہیں ملتی جو سعد بن عباده کے بیعت نہ کرنے کو بیان کرتی ہو بلکہ جو کچھ نقل ہوا ہے وہ اس کے بیعت کرنے کو بیان کرتا ہے [293]

جواب۔

معترض کا دعویٰ یہ ہے کہ تمام مہاجرین اور انصار نے ابوبکر کی بیعت کرلی تھی لیکن ہمارا کہنا یہ ہے کہ محدثین اور مورخین نے جو سقیفہ کے بارے میں روایات نقل کی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ سقیفہ کی کاروائی کے بعد بہت سے انصار اور مہاجرین نے جن کا شمار رسول خدا ﷺ کے اکابر صحابہ میں ہوتا تھا ابوبکر کی بیعت کرنے سے انکار کردیا تھا، ذیل میں ہم چند مثالیں بیان کرتے ہیں۔

1۔ سقیفہ کے بارے میں عمر اپنے خطبہ میں کہتے ہیں کہ "خالف عنّا علّی والزبیر ومن معهما" [294] یعنی حضرت علی علیہ السلام اور زبیر اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے انہوں نے ہماری مخالفت کی! اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اور تمام بنی ھاشم اور زبیر اور ان کے قوم اور دوست و احباب نے ابوبکر اور عمر کی مخالفت کی۔

3۔ یعقوبی کا کہنا ہے "و تخلّف عن بیعة ابی بکر قوم من المهاجرین والانصار، ومالوا مع علی بن ابی طالب، منهم: العباس بن عبد المطلب والفضل بن العباس والزبیر بن العوام بن العاص و خالد بن سعید والمقداد بن عمرو و سلمان الفارسی و ابوذر الغفاری و عمار بن یاسر و البرّاء بن عازب و ابی بن کعب" [295] یعنی انصار اور مہاجرین کے ایک گروہ نے بیعت نہیں کی اور وہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کرنا چاہتے تھے جن میں عباس بن عبد المطلب، فضل بن عباس، زبیر بن عوام بن عاص، خالد بن سعید، مقداد بن عمرو، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، عمار یاسر، برّاء بن عازب اور ابی بن کعب شامل ہیں۔

4۔ مسعودی کا کہنا ہے کہ جب تک حضرت علی علیہ السلام نے بیعت نہیں کی بنی ھاشم میں سے کسی نے بھی بیعت نہیں کی [296] اس بات کو ابن اثیر نے بھی لکھا ہے [297]۔

ہم نے ابوبکر کی بیعت کے مخالفین کے عنوان سے جن چند افراد کے نام پیش کئے ہیں وہ فقط بعنوان مثال اور بطور شاھد ہیں و گرنہ تاریخی کتابوں میں ابوبکر کی بیعت کے مخالفین کی تعداد اس سے کہیں زیادہ بتائی گئی ہے [298]۔

ان مطالب کے پیش نظر اور تاریخی کتابوں پر سرسری نظر ڈالنے سے بھی اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ معترض کا یہ دعویٰ کہ پوری امت نے ابوبکر کے مقدم ہونے اور ان کی اطاعت پر اجماع کرلیا تھا بے بنیاد اور بلا دلیل ہے اور یہ بات کسی بھی طرح صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہ کیسا اجماع تھا کہ جس کے مخالف حضرت علی علیہ السلام، اہل بیت پیغمبر ﷺ اور تمام بنی

ھاشم جیسے لوگ تھے؟ نیز یہ کس قسم کا اجماع تھا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے جلیل القدر صحابہ جیسے سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد اور عمار یاسر وغیرہ۔ ۔ ۔ ۔ اس کی مخالفت کر رہے تھے؟!

رہی یہ بات کہ بیعت کے مخالفین پر کیا گذری اور ان کے ساتھ کیا برتاؤ ہوا اس سلسلے میں تاریخ کی کتابوں میں بہت اختلاف ہے لیکن مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ان مخالفین میں سے بعض نے دہمکیوں (299) سے خوفزدہ ہوکر اور بعض نے مال کی لالچ (300) میں بیعت کرلی تھی، اور ان میں بعض وہ تھے کہ جو جبر و اکراہ کے باوجود بھی ابوبکر کی بیعت کرنے پر راضی نہ تھے (301) ان افراد میں حضرت علی علیہ السلام تھے کہ جو جبر و اکراہ کے باوجود ابوبکر کی بیعت کرنے پر راضی نہ ہوئے (302)

اور یہ کہ حضرت علی علیہ السلام اپنے آپ کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے اور شروع میں انہوں نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی یہ بات ناقابل انکار حقیقت ہے بلکہ اس بات پر اجماع ہے جب کہ بعض نے کہا ہے کہ اگرچہ وہ ابتداء میں ابوبکر کی بیعت کرنے پر تیار نہ تھے لیکن کچھ ہی عرصہ بعد ابوبکر کی بیعت کرلی تھی اور اس سلسلے میں مشہور قول یہ ہے کہ جناب فاطمہ علیہا السلام کی شہادت کے بعد ابوبکر کی بیعت کی (303)

سب سے پہلے ہم اس چیز کو بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کرنے سے کیا مراد ہے؟

اگر بیعت سے مراد یہ لیا جائے کہ ابوبکر قانونی طور پر پیغمبر اسلام ﷺ کا جانشین اور خلیفہ تسلیم کرنا ہے تو حضرت علی علیہ السلام نے ھرگز اس معنی میں کبھی بھی ابوبکر کی بیعت نہیں کی اس لئے کہ آپ نے ابتداء میں ہی ابوبکر کی بیعت نہ کرکے یہ ثابت کردیا تھا کہ آپ انہیں پیغمبر اسلام ﷺ کا خلیفہ نہیں مانتے تھے بلکہ اپنے آپ کو رسول خدا ﷺ کا برحق خلیفہ سمجھتے تھے اور اس سلسلے میں آپ کبھی بھی متذبذب نہیں رہے لھذا آپ کے بارے میں اس معنی میں بیعت کا گمان کرنا آپ پر ظلم کے مترادف ہے اس لئے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے اپنی گذشتہ غلطی کا اقرار کرلیا تھا۔

اور اگر بیعت کے معنی مقابلہ نہ کرنے، مخالفت نہ کرنے، خلفاء کے کاموں میں مداخلت نہ کرنے اور مسلمانوں کی مشکلات کے حل کے لئے ان کی مدد اور اسلامی معاشرہ کو انحراف سے بچانے کے ہیں تو اس سلسلہ میں یہ کہنا بہتر ہوگا کہ وہ تو ابتداء ہی سے اس کے پابند تھے نیز جب لوگ کسی اور کی طرف رخ کر رہے تھے تو ان سے سلمان فارسی کا یہ کہنا کہ تمھارا بیعت کرنا اور نہ کرنا سب برابر ہے (304) حضرت علی علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفن کے بعد جناب فاطمہ علیہا السلام کے گھر تشریف لائے اور گوشہ نشین ہوگئے (305) اور حفظ اسلام اور مصالح مسلمین کی خاطر خلفاء سے جنگ اور مقابلہ کے لئے کوئی اقدام نہ کیا بلکہ اگر کسی نے لوگوں کو کسی بھی قسم کے اقدام کے لئے تیار بھی کیا تو آپ نے انھیں روک دیا جیسا کہ عتبہ بن ابی لہب نے ایک جوشیلی تقریر میں بنی ھاشم سے کہا کہ وہ اس سلسلے میں کچھ کریں تو آپ نے انہیں خاموش رہنے کا حکم دیا (306) اور ابوسفیان کہ جو خاندان عبد مناف کی طرف سے مسلحانہ قیام چاھتا تھا اسے آپ نے اپنے سے دور کردیا (307)۔

لیکن خلفاء کی بیعت کیونکہ اتفاقی و ناگہانی ہوئی تھی [308] لھذا ان کا خیال تھا کہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کی طرف ضرور رجوع کریں گے اور حضرت علی علیہ السلام بھی اپنا حق لے کر رہیں گے اس لئے انھوں نے جناب فاطمہ علیہا السلام کے گھر میں لشکر کشی میں عجلت کا مظاھرہ کیا اور زبردستی حضرت علی علیہ السلام کو مسجد میں لے آئے اور ان سے ابوبکر کی بیعت طلب کی لیکن آپ نے منع کردیا اور فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا برحق خلیفہ میں ہوں [309]، لیکن کچھ ہی عرصہ گزرنے کے بعد خلیفہ اس بات کو اچھی طرح جان گئے کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کے تحفظ کی خاطر اپنے مسلّم حق سے سبکدوش ہوسکتے ہیں، اور اسلامی معاشرہ کی اصلاح کے لئے ہر ممکن کوشش کرینگے۔ بس یہ خلفاء تھے کہ جنہیں اپنی کی ہوئی غلطی کا احساس ہوگیا تھا جس کے نتیجہ میں انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ اپنے رویہ کو تبدیل کیا نہ یہ کہ حضرت علی علیہ السلام ان کو خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھتے تھے۔

گذشتہ بیان کی روشنی میں زندگی کے آخری لمحات میں ابوبکر کی زبان سے نکلے ہوئے جملوں کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ "اے کاش میں نے جناب فاطمہ علیہا السلام کے گھر پر لشکر کشی نہ کی ہوتی [310] اس لئے کہ انہیں بعد میں اس بات کا احساس ہوا کہ اس کام سے نہ انہیں کوئی فائدہ پہونچا اور نہ اس کی ضرورت ہی تھی بلکہ اس سے جناب فاطمہ علیہا السلام کا غضب جن کا غضب خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غضب ہے [311]ان کے شامل حال ہوگیا [312] اور اس بنا پر دنیا و آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگئے۔

لھذا اگر بیعت پہلے والے معنی میں مراد لی جائے تو حضرت علی علیہ السلام نے ان کو ھرگز رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ اور جانشین نہیں مانا اور ان کی بیعت نہ کی اور اگر بیعت کے دوسرے معنی مراد لئے جائیں تو حضرت علی علیہ السلام نے پہلے ہی دن سے خلفاء کے بارے میں چشم پوشی کو اپنا وظیفہ سمجھا اور گوشہ نشین ہوگئے اور کسی بھی صورت ان کا مقابلہ اور ان کے خلاف بغاوت نہ کی۔

یہاں تک تو ہم نے یہ بیان کیا کہ بعض صحابہ نے کس طرح ابوبکر کی بیعت کی تھی لیکن ان تمام افراد کے درمیان ایک فرد ایسا بھی تھا کہ اس نے (ظاھراً اپنی ضد کی وجہ سے) ابوبکر کی بیعت نہ کی اور وہ سعد بن عبادہ تھا بہت سی روایات کے مطابق اس نے ھرگز ابوبکر اور عمر کی بیعت نہ کی اور پھر وہ شام چلا گیا اور وھاں پر مشکوک انداز میں قتل کردیا گیا۔

معترض کا دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ سعد بن عبادہ نے سقیفہ میں ہی ابوبکر کی بیعت کرلی تھی اور فقط ابو مخنف کی روایت میں سعد بن عبادہ کے بیعت نہ کرنے کا ذکر ہے جب کہ کسی بھی صحیح روایت میں ایسا بیان نہیں ہے تمام روایتیں اس کے بیعت کرنے کو بیان کرتی ہیں، بہرحال سعد بن عبادہ کی بیعت کرنا یا نہ کرنا کون سا ایسا خاص اثر رکھتی ہے؟

ہم مدعی کے اس دعوے کو باطل کرنے کے لئے فقط چند مثالوں پر ہی اکتفاء کریں گے۔

1۔ بلاذری نے مدائنی سے روایت کی ہے کہ: سعد بن عبادہ نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی اور پھر عمر نے اس کے پاس ایک شخص کو بھیجا کہ یا تو بیعت کرے یا پھر قتل ہونے کے لئے تیار رہے اور بیعت نہ کرنے کے سبب عمر کے حکم سے اسے قتل کردیا گیا [313]۔

2۔ مسعودی کا کہنا ہے کہ سعد بن عبادہ نے بیعت نہیں کی اور مدینے سے شام چلا گیا اور ہجرت کے پندرہویں سال قتل کردیا گیا [314]،

3۔ ابن جوزی [315] کا کہنا ہے کہ تمام انصار و مہاجرین نے بیعت کی مگر سعد بن عبادہ نے بیعت نہ کی اس کے بعد وہ ابن اسحاق سے نقل کرتا ہے کہ سعد بن عبادہ نے بیعت نہیں کی اور ان کی نماز جماعت میں بھی شریک نہ ہوتا تھا اور یہ نقل ابو مخنف کی روایت کے مطالب سے شباھت رکھتی ہے۔

4۔ جوہری کتاب السقیفہ و فدک [316] میں کہتا ہے کہ سعد بن عبادہ نے ابوبکر، عمر اور کسی کی بھی بیعت نہیں کی، اور اس کے نماز میں شریک نہ ہونے کو بھی بیان کیا ہے، ۔ ۔ ۔ جیسا کہ ابو مخنف کی روایت بیان کرتی ہے۔

5۔ دینوری [317] نے ابو مخنف کی اصل عبارت کو نقل کیا ہے کہ وہ ان کی نماز جماعت میں شریک نہ ہوتا تھا وہ عمر کے دور خلافت میں شام چلا گیا اور وھاں اس کا انتقال ہوگیا جب کہ اس نے کسی کی بیعت نہیں کی تھی۔

6۔ ابن اثیر [318] نے بھی سعد کے آخری دم تک بیعت نہ کرنے کو ذکر کیا ہے۔

7۔ ابن سعد [319] کا کہنا ہے کہ ابوبکر نے جس آدمی کو سعد سے بیعت لینے کے لئے بھیجا تھا سعد نے اسے منفی جواب دیا اور کہا "لا واللہ لا ابایع" یعنی خدا کی قسم ھرگز میں بیعت نہ کروں گا۔

8۔ ان تمام شواھد کے باوجود بھی کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ سعد بن عبادہ کی بیعت نہ کرنے کو فقط ابو مخنف نے نقل کیا ہے کیا واقعاً ان تمام شواھد میں سے ایک نمونہ بھی معترض کی نظر کے سامنے سے نہیں گزرا، یا عمداً ان حقائق سے چشم پوشی کی گئی ہے؟

اور معترض نے کس طرح یہ اعتراض کرتے ہوئے صرف محدثین اور مورخین کے اقوال کا سہارا لیا ہے اور کسی بھی صحیح روایت کا حوالہ نہیں دیا لیکن اس مطلب کے جواب کے سلسلے میں صحیح روایت کی تلاش میں ہے کیا یہ تاریخ اور احادیث کی کتابیں معتبر نہیں ہیں اور فقط مسند احمد بن حنبل کی نقل شدہ مرسلہ روایت صحیح اور قابل قبول ہے؟!

اس کے علاوہ یہ کہ ہم اہل سنت کی صحیح روایات کے ساتھ اس روایت کے تعارض کو بیان کرچکے ہیں، نیز وہ تمام روایتیں جن کو معترض نے دلیل کے طور پر پیش کیا ہے [320] سعد بن عبادہ کی ابوبکر کی بیعت کرنے کو بیان نہیں کرتیں، اس کے علاوہ مسند احمد بن حنبل [321] کی روایت میں بھی سعد بن عبادہ کی طرف سے ابوبکر کی بیعت کرنے کا بیان نہیں ہے، بلکہ روایت میں یہ ہے کہ سعد نے ابوبکر کی گفتگو کی تصدیق کی تھی جب کہ ہم اس روایت کے غلط ہونے کو پہلے ہی ثابت کرچکے ہیں۔

اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ سعد بن عبادہ بیعت کریں یا نہ کریں اس سے ابوبکر کی ولایت و حکومت پر کیا اثر پڑتا ہے؟

تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ سعد بن عبادہ قبیلہ خزرج کا سردار تھا لھٰذا اس کا بیعت کرنا یا نہ کرنا اہمیت کا حامل تھا، اس کے علاوہ اس کا شمار پیغمبر اسلام ﷺ کے جلیل القدر اصحاب میں ہوتا تھا، کس طرح وہ لوگ کے جو پیغمبر اسلام ﷺ

کے تمام صحابہ کے طیب و طاھر ہونے کے دعویدار ہیں مگر جب سعد بن عبادہ کا نام آتا ہے تو ایسا ہوجاتے ہیں کہ جیسے وہ کوئی تھا ہی نہیں؟! اور اگر سعد بن عبادہ ابوبکر کی بیعت کرنے میں پیش پیش ہوتا تو کیا واقعاً بعض کے نزدیک اس کا یہی مقام ہوتا؟

حرف آخر

اگرچہ سقیفہ میں جس چیز کی بنیاد رکھی گئی اور پھر ہر ممکنہ کوشش کے ذریعہ اسے مضبوط کیا گیا کہ جو اہل بیت علیہم السلام رسول کی گوشہ نشینی اور لوگوں کے لئے علم و معارف کے سرچشمہ سے محرومی کا سبب بنی، اس کے باوجود اہل بیت علیہم السلام اطہار کا حق تعصب کی کالی گھٹاؤں کے اندر بھی خورشید کے مانند درخشاں اور قابل نظارہ ہیں۔

ہم امید رکھتے ہیں کہ محترم قارئین نے اس کتاب کے مطالعہ سے اس بات کا اندازہ کرلیا ہوگا کہ جمود و انکار اور اتہامات کے گرد و غبار کے ڈھیروں تلے دبے ہوئے حقائق تک پہنچنا کوئی مشکل کام نہیں ہے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت کی حقانیت اور صداقت کو جاننے کے لئے دل کا ذرہ برابر پاکیزہ اور انصاف پسند ہونا ہی کافی ہے، یہاں تک کہ ان چیزوں کا مشاہدہ ان کتابوں میں بھی بآسانی کیا جاسکتا ہے جو ان کے حقائق پر پردہ ڈالنے کے لئے لکھی گئیں ہیں۔

(وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین)

سید نسیم حیدر زیدی، قم المقدسہ 3 صفر المظفر 1426 ہجری

---

254. صحیح بخاری کے نقل کے مطابق۔

258. مسند احمد بن حنبل: ج1 ص198

259. کتاب المصنف: ج7 ص433 (حدیث 40، 37)

260. الامامۃ والسیاسۃ: ص23، 24،

261. الکامل فی التاریخ: ج2 ص13

262. السقیفہ و فدک: ص56، 57۔

264. الکامل فی التاریخ: ج2 ص13۔

266. الطبقات الکبریٰ: ج3 ص182

267. فضائل الصحابہ: ص55، 56

268. سقیفہ میں عمر کا خطبہ۔

269. الامامۃ والسیاسۃ: ص25

270. السقیفہ و فدک: ص580

271. الکامل فی التاریخ: ج2 ص13

274. سقیفہ کے بارے میں ابو مخنف کی روایت کا مضمون۔

280. السیرۃ النبویہ: ابن ھشام: ج4 ص316۔

281. سقیفہ کے بارے میں عمر کا معروف خطبہ۔

282. سورہ مبارکہ حجرات: آیت13۔

283. الکتاب المصنف: ج،7، 433۔

285. الامامۃ والسیاسۃ: ص25۔

286. الکامل فی التاریخ: ج2 ص14۔

287. تاریخ یعقوبی: ج2 ص123

289. انساب الاشراف: ج2 ص765۔

290. تاریخ یعقوبی: ج2 ص123۔

292. الامامۃ والسیاسۃ: ص27۔

294. سقیفہ کے بارے میں عمر کا خطبہ۔

295. تاریخ یعقوبی: ج2 ص124۔

296. مروج الذھب: ج2 ص301۔

299. السقیفہ و فدک: ص38۔

300. السقیفہ و فدک: ص37۔

301. انساب الاشراف: ج2 ص769، 770، تاریخ یعقوبی: ج2 ص126۔ السقیفہ و فدک: ص60۔

304. انساب الاشراف: ج4 ص776

305. السیرۃ النبویہ ابن ھشام: ج4 ص 307، انساب الاشراف: ج2 ص776 سب نے (حضرت علی علیہ السلام گوشہ نشین ہو گئے. عبارت نقل کی ہے۔ الکامل میں ابن اثیر، عمر کا خطبہ نقل کرتے ہوئے کہتا ہے (علی علیہ السلام، زبیر اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری مخالفت کی جناب فاطمہ (ع. کے گھر میں ہیں. حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ کے خطبہ سوم شقشقیہ میں فرماتے ہیں کہ کیوں کہ مصلحت نہ دیکھی لھٰذا صبر و تحمل کو ہی قرین فہم و عقل سمجھا۔

306. تاریخ یعقوبی: ج2 ص124

308. انساب الاشراف: ج2 ص766، السقیفہ و فدک ص44، ابوبکر کا قول ہے کہ (میری بیعت ایک اتفاق اور حادثاتی تھی)

309. الامامۃ والسیاسۃ: ص28، 29۔

310. السقیفہ و فدک: ص73، الامامۃ والسیاسۃ: ص36۔

311. الامامۃ والسیاسۃ: ص31، الغدیر: ج7 ص231 سے 235 تک مجموعی طور پر انسٹھ طریقوں سے اس روایت کو نقل کیا ہے۔

312. الامامۃ والسیاسۃ: ص31، (عمر نے ابوبکر سے کہا کہ جناب فاطمہ (ع.کی خدمت میں چلتے ہیں کہ ہم نے انہیں ناراض کیا ہے. والبدایۃ والنہای: ج5 ص270 (جناب فاطمہ (ع. ابوبکر سے ناراض تھیں اور آپ نے آخر دم تک ان سے بات نہیں کی)، الغدیر: ج7 ص226 سے 231 تک۔

314. مروج الذھب: ج2 ص301۔

315. المنتظم: ج4 ص67۔

316. السقیفہ و فدک: ص59، 60۔

317. الامامۃ والسیاسۃ: ص27۔

318. الکامل فی التاریخ: ج2 ص14۔

319. الطبقات الکبریٰ: ج3 ص616۔

320. مرویات ابی مخنف فی تاریخ الطبری: ص112 سے 118 تک۔

321. مسند احمد بن حنبل: ج1 ص198۔

فہرست منابع

1۔ قرآن کریم۔

2۔ نہج البلاغہ۔ حضرت علی علیہ السلام کے خطبات۔ مترجم سید جعفر شہیدی، شرکت انتشارات علمی و فرہنگی، طبع ہفتم 1374 ہجری شمسی۔

3۔ اعلام۔ خیر الدین زرکلی، بیروت دار العلم (ملایین) طبع ہفتم 1986 میلادی۔

4۔ الارشاد فی معرفۃ حجج اللہ علی العباد شیخ مفید، تحقیق مؤسسہ آل البیت لاحیاء التراث، مطبع مہر قم، ناشر مؤتمر العالمی لالفیہ الشیخ المفید طبع اول۔1413 ہجری قمری۔

5۔ الامامۃ والسیاسۃ۔ ابن قتیبہ دینوری، تحقیق علی شیری، انتشارات الشریف رضی طبع اول ایران قم 1413 ہجری قمری۔

6۔ انساب الاشراف۔ بلاذری، تحقیق سہیل زکا و ریاض زرکلی، دار الفکر بیروت، طبع اول 1417 ہجری قمری۔

7۔ بحار الانوار، علامہ مجلسی، بیروت دار احیاء التراث العربی، مؤسسۃ الوفاء، طبع سوم 1403 ہجری قمری۔

8۔ البدایۃ والنہایۃ۔ ابن کثیر، تحقیق مکتب تحقیق التراث، بیروت، موسسۃ التاریخ العربی دار احیاء التراث العربی طبع اول 1412 ہجری قمری۔

9۔ تاریخ ادبیات عرب۔ رژی بلاشر، مترجم آذر نوش مؤسسہ مطالعات، تحقیقات فرہنگی تہران 1363 ہجری شمسی۔

10۔ تاریخ التراث العربی، فواد سزگین، اعراب گذاری محمود فہمی حجازی، مکتبہ مرعشی نجفی، قم، طبع دوم۔ 1412 ہجری قمری۔

11۔ تاریخ الخلفاء بن خیاط، تحقیق سہیل زکا، بیروت، دار الفکر، 1414 ہجری قمری۔

12۔ تاریخ طبری (تاریخ الرسل والملوک) ابو جعفر محمد بن جریر طبری تحقیق محمد ابو الفضل، بیروت طبع دوم۔ 1387 ہجری قمری۔

13۔ تاریخ یحییٰ بن معین، تحقیق عبداللہ۔ احمد حسن، دار القلم بیروت۔

14۔ تاریخ یعقوبی۔ احمد بن ابی یعقوب بن واضح، منشورات شریف رضی۔ طبع اول۔ امیر قم۔ 1414 ہجری قمری۔

15۔ تفسیر الطبری (جامع البیان) دار الفکر، بیروت، 1415 ہجری قمری۔

16۔ تفسیر العیاشی۔ محمد بن مسعود عیاش، بیروت مؤسسہ الاعلمی للمطبوعات، تحقیق سید محمد ھاشم رسولی محلاتی طبع اول 1991 میلادی۔

17۔ التفسیر الکبیر۔ فخر رازی، تحقیق مکتب تحقیق دار احیاء التراث العربی، بیروت طبع اول، 1995 میلادی۔

18۔ تہذیب الاحکام فی شرح المقنعہ، محمدبن حسن الطّوسی، تحقیق محمد جعفر شمس الدین، دار التعارف مطبوعات 1412 ہجری قمری۔

19۔ تہذیب الکمال، جمال الدین ابی المجاج، تحقیق بشار عواد معروف، بیروت مؤسسۃ الرسالۃ 1985 میلادی۔

20۔ التنبیہ والاشراف، علی بن حسین مسعودی، تحقیق عبد اللہ اسماعیل صاوی، منابع الثقافہ الاسلامیہ دار الصاوی قاھرہ۔

21۔ جامع الاخبار، محمدبن الشعیری، منشورات مکتبۃ حیدریہ (اور نجف کی دیگر مطبع) 1385 ہجری قمری۔

22۔ الجرح والتعدیل، ابن ابی حاتم، بیروت، احیاء التراث العربی۔

23۔ دلائل النبوۃ، ابی بکر احمدبن حسین بھیقی، تحقیق عبد المعطی قلعجی بیروت، دار الکتب العلیہ طبع اول 1405 ہجری قمری۔

24۔ دیوان الضعفاء والمتروکین، ذھبی بیروت، دار القلم 1408 ہجری قمری۔

25۔ الذریعۃ امی تصانیف الشیعۃ، آقا بزرگ تہرانی، مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان۔ ایران قم۔

26۔ ذکر اخبار اصفہان، حافظ ابو نعیم اصفہانی، ترجمہ۔ نور اللہ کسائی۔ سروش تہران 1377 ہجری قمری شمسی۔

27۔ رجال طوسی، محمدبن حسن طوسی، تحقیق جواد القیومی الاصفہانی موسسہ النشر الاسلامی، جامعہ مدرسین قم طبع اول 1415 ہجری قمری۔

28۔ رجال النجاشی ابی عباس احمدبن علی النجاشی۔ تحقیق سید موسیٰ الشبیری الزنجانی مؤسسہ النشر السلامی، جامعہ مدرسین قم، طبع پنجم 1416 ہجری قمری۔

29۔ السقیفہ۔ الشیخ محمد رضا المظفر، نشر موسسہ انصاریان، مطبع بہمن، قم طبع دوم 1415 ہجری قمری۔

30۔ السقیفہ و فدک۔ ابی بکربن عبدالعزیز الجوھری، پیشکش، جمع آوری اور تحقیق محمد ھادی امینی، مکتبۃ نینوی الحدیثہ تہران۔

31۔ سیر اعلام النبلاء، الذھبی، تحقیق شعیب ارنؤوط اور حسین الاسد۔ بیروت مؤسسہ الرسالہ 1994 میلادی۔

32۔ السیرۃ النبویہ۔ عبدالملک بن ھشام، تحقیق مصطفیٰ السقا۔ ابراھیم الابیاری، عبدالحفیظ شلبی، افست مصر، انتشارات ایران، مطبع مہر قم، 1363 ہجری شمسی۔

33۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، تحقیق محمد ابو الفضل ابراھیم، بیروت دار احیاء التراث العربی طبع دوم 1385 ہجری قمری۔

34۔ صحیح البخاری حاشیۃ امام سندی، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419 ہجری، طبع اول۔

35۔ الضعفاء والمتروکین، دار قطنی، تحقیق موفق عبداللہ بن عبد القادر، مکتبۃ معارف الریاض 1404 ہجری قمری۔

36۔ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، دار بیروت 1405 ہجری قمری۔

37۔ عبداللہ ابن سبا۔ علامہ سید مرتضیٰ عسکری۔ ترجمہ۔ احمد فہری زنجانی۔ ناشر مجمع علمی اسلامی مطبع سپھر۔ 1360 ہجری شمسی۔

38۔ الغدیر، علامہ امینی، دار الکتب السلامیہ، تھران طبع دوم 1366 ہجری شمسی۔

39۔ فضائل الصحابہ۔ احمد بن شعیب نسائی، تحقیق فاروق حمادہ، دار الثقافۃ الدار البیضاء المغرب، طبع اول 1404 ہجری قمری۔

40۔ الفہرست ابن ندیم مطبع تجدد۔ تہران 1393 ہجری قمری۔

41۔ الفہرست، شیخ طوسی، تحقیق محمد صادق آل بحر العلوم، ناشر شریف رضی، ایران قم (افست نجف)۔

42۔ قاموس الرجال: محمد تقی شوشتری نشر و تحقیق مؤسسہ النشر الاسلامی، جامعہ مدرسین قم۔ طبع دوم 1410 ہجری قمری۔

43۔ الکافی، محمد بن یعقوب الکلینی، تحقیق علی اکبر غفاری، دار لاضواء بیروت 1405 ہجری قمری۔

44۔ الکامل فی الضعفاء الرجال۔ ابن عدی، تحقیق عادل احمد الموجود محمد معوض، دار الکتاب العلمیہ، بیروت 1418 ہجری قمری۔

45۔ الکامل فی التاریخ۔ ابن اثیر، تحقیق مکتب تراث، مؤسسہ التاریخ العربی بیروت طبع چہارم 1414 ہجری قمری۔

46۔ کتاب المجروین، محمد بن حبان، تحقیق محمود ابراہیم زاید۔ ناشر دار التوعی، حلب، طبع دوم 1402 ہجری قمری۔

47۔ الکتاب المصنف فی الاحادیث والآثار، ابی بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ، تحقیق محمد عبدالسلام شاحین، بیروت دار الکتب العلمیہ، طبع اول 1416 ہجری قمری۔

48۔ الکنی والالقاب، شیخ عباس قمی، حیدریہ نجف، 1389 ہجری قمری۔

49۔ لسان العرب ابن منظور، تحقیق علی شیری، دار احیاء التراث العربی بیروت طبع اول 1408 ہجری قمری۔

50۔ لسان المیزان۔ ابن حجر عسقلانی، تحقیق محمد عبدالرحمٰن مرسلی، بیروت (ناشر) دار احیاء التراث العربی۔ طبع اول۔ 1416 ہجری قمری۔

51۔ مأساۃ الزہراء (س) سید جعفر مرتضی عاملی، دار السیرۃ، بیروت۔ طبع اول۔ 1417 ہجری قمری۔

52۔ مروج الذھب۔ مسعودی، تحقیق یوسف اسعد داغر (ناشر) دار الاندلس، بیروت۔ طبع اول 1358 ہجری قمری۔

53۔ مرویات ابی مخنف فی تاریخ الطبری، یحییٰ بن ابراھیم، دار العصامہ۔ ریاض، طبع اول 1410 ہجری قمری۔

54۔ مسند احمد بن حنبل۔ تحقیق شعیب ارنؤوط اور عادل مرشد (ناشر) موسسہ الرسالہ، بیروت طبع اول 1416 ہجری قمری۔

55۔ معجم الادباء۔ یاقوت حموی، تحقیق احسان عباس (ناشر) دار الغرب الاسلامی، بیروت طبع اول 1993 میلادی۔

56۔ معجم رجال الحدیث، ابو القاسم خوئی ناشر۔ الثقافۃ الاسلامیہ۔ طبع پنجم 1413 ہجری قمری۔
57۔ المغازی، الواقدی تحقیق مارسدن جونس (ناشر) موسسۃ الاعلمی، بیروت طبع دوم 1409 ہجری قمری۔
58۔ منابع تاریخ اسلام۔ رسول جعفریان، انصاریان۔ قم۔ طبع اول 1376 ہجری قمری۔
59۔ المنتظم ۔ ابن جوزی۔ تحقیق محمد عبد القادر عطا، مصطفی عبد القادر عطاء (ناشر) دار الکتب العلمیہ بیروت طبع اول 1412 ہجری قمری۔
60۔ منہاج السنۃ۔ ابن تیمیہ، تحقیق محمد رشاد سالم (ناشر) ادارۃ الثقافۃ والنشر جامعہ عربستان سعودی 1496 ہجری قمری۔
61۔ المیزان فی تفسیر القرآن۔ سید محمد حسین طباطبائی (ناشر) دار الکتب السلامیہ تہران۔ طبع چہارم 1365 ہجری شمسی۔
62۔ وقعۃ الطف، ابو مخنف، تحقیق محمد ھادی یوسفی غروی۔ موسسۃ النشر الاسلامی۔ جامعہ مدرسین قم 1367 ہجری شمسی۔

فہرست

حرف اول.. 4

بیاں اپنا.. 6

پیش لفظ.. 7

پہلا حصہ: تمہیدات.. 9

ابو مخنف کا تعارف.. 9

ابو مخنف کون تھے؟.. 9

ابو مخنف کا دور.. 10

ابو مخنف شیعہ اور سنی علماء کی نظریں.. 11

ابو مخنف کا مذھب.. 12

روایت ابی مخنف کی تحقیق کا طریقۂ کار.. 16

تاریخ طبری:.. 16

1۔ السیرۃ النبویہ لابن ھشام:.. 17

2۔ المغازی واقدی:.. 17

3۔ الطبقات الکبریٰ:.. 18

4۔ تاریخ خلیفہ بن خیاط (وفات 240 ہجری):.. 18

5۔ الامامہ والسیاسۃ:.. 18

6۔ انساب الاشراف:.. 18

7۔ تاریخ یعقوبی:.. 18

1۔ السقیفہ و فدک:.. 19

2۔ مروج الذھب: 19
3۔ الارشاد: 19
4۔ المنتظم فی تاریخ الملوک و الامم: 19
5۔ الکامل فی التاریخ: 20
6۔ البدایہ و النھایہ: 20
دوسرا حصہ: سقیفہ کے بارے میں ابو مخنف کی روایت کا مضمون 21
تمھید 21
سقیفہ کے بارے میں ابو مخنف کی روایت کا عربی متن: 21
تیسرا حصہ: سقیفہ کے رونما ہونے کی صورت حال 30
تمھید 30
ہجرت سے لیکر غدیر خم تک کے واقعات 31
1۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی ہجرت کے اسباب 31
2۔ ہجرت کے بعد کے حالات اور پیغمبر ﷺ کی حمایت میں انصار کا کردار 32
حضرت علی علیہ السلام کی جانشینی کے سلسلے میں ابلاغ وحی کی کیفیت 35
1۔ نئے مسلمانوں کی اکثریت 36
2۔ مسلمانوں کے درمیان منافقین کا وجود 36
3۔ بعض افراد کی حضرت علیہ السلام سے کینہ پروری 37
4۔ حضرت علی علیہ السلام کے جوان ہونے پر اعتراض 38
5۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے احکام کی نافرمانی 39
6۔ غدیر خم کے بعد اہل بیت علیہم السلام کے خلاف سازشیں 40

اول: عام شواھد 43
دوم: بنی امیہ اور ان کے ہم خیال افراد کی سازشیں 43
سوم: حکومت حاصل کرنے کے لئے بعض مھاجرین کی کوششیں۔ 46
سازشوں کے خلاف پیغمبر اسلام ﷺ کے اقدامات 51
انصار کی چارہ جوئی 55
چوتھا حصہ: ابو مخنف کی روایت پر کئے گئے اعتراضات اور ان کے جوابات 62
تمھید 62
پھلا اعتراض؛ روایت کی سند سے متعلق 62
جواب: 62
نقضی جواب: 63
حلّی جواب: 65
دوسرا اعتراض؛ سعد بن عبادہ کی تقریر کے تنھا راوی ابو مخنف ہیں۔ 66
جواب: 66
تیسرا اعتراض؛ انصار نے سقیفہ میں موجودہ مھاجرین کی مخالفت نہیں کی۔ 67
جواب 67
معترض کے یہ دونوں دعوے باطل ہیں۔ 68
چوتھا اعتراض؛ واقعہ سقیفہ کے وقت حضرت علی علیہ السلام پیغمبر ﷺ کے غسل میں مشغول نہ تھے 71
جواب۔ 72
پانچواں اعتراض؛ ابو مخنف نے بعض افراد کے نام ذکر کئے ہیں جو دوسرے راویوں نے بیان نہیں کئے ہیں 81
جواب 81

چھٹا اعتراض؛ سقیفہ میں ابوبکر کی تقریر کے تنہا راوی ابو مخنف ہیں........ 81
جواب۔ 81
ساتواں اعتراض؛ پیغمبر اسلام ﷺ کی ازواج سے متعلق........ 82
جواب۔ 82
آٹھواں اعتراض؛ حباب بن منذر اور عمر کے درمیان نزاع سے انکار........ 83
جواب۔ 83
نواں اعتراض؛ انصار کی طرف سے مہاجرین کو ڈرانے دھمکانے کا انکار........ 85
جواب۔ 85
دسواں اعتراض؛ سقیفہ میں اوس و خزرج کے درمیان اختلاف سے انکار 87
جواب۔ 87
گیارہواں اعتراض؛ ابو عبیدہ کی تقریر کے تنہا راوی ابو مخنف ہیں 91
جواب........ 91
بارہواں اعتراض؛ سعد بن عبادہ اور عمر کے درمیان نزاع سے انکار 91
جواب۔ 91
تیرہواں اعتراض؛ سعد بن عبادہ کا ابوبکر کی بیعت نہ کرنے سے انکار 92
جواب۔ 93
حرف آخر 97
فھرست منابع........100